علم کے موتی

پس منظر

امامِ عالیمقامؑ کے روحانی اور عرفانی معجزات

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

عِلم کے موتی

حِصّۂ اوّل

(پسِ منظر)

امامِ عالیمقامؑ کے عِلمی و رُوحانی معجزات

بقلمِ علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

شائع کردہ

خانۂ حکمت

۲- رحیم کورٹ، ۳۱۲ گارڈن ویسٹ۔ کراچی-۵

(پاکستان)

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	۴
۲	گوہرِ عقل	۱۰
۳	عظیم آیات	۱۶
۴	آئینۂ قرآن	۲۳
۵	ہر آیت آئینۂ امامت	۲۷
۶	سُنّتِ الٰہی	۳۵
۷	حِکمت کا ایک خزانہ	۳۹
۸	بیت المعمور	۴۷
۹	دُرود کا ماحول	۵۱
۱۰	قرآن اور رُوحِ قرآن	۵۹
۱۱	عِلمی اور رُوحانی رِشتہ	۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

خُداوندِ قدوس کے پاک حضور میں بصد عجز وانکساری سجدۂ شکرانہ بجالانے کے بعد بندۂ ناچیز (نصیر ہونزائی) یُوں عرض کرتا ہے کہ تقریباً ایک سال قبل خانۂ حکمت کی علمی سکیموں کے سلسلے میں یہ بھی تجویز ہُوئی تھی، کہ ادارۂ ہذا اور عارف کے ارکان کے نام پر ایسے سو علمی خطوط اور چھوٹے چھوٹے مضامین لکھے جائیں، جن کا پس منظر رُوحانیّت اور قرآنی حکمت ہو، تاکہ اِس طریقِ کار سے عام خط وکتابت کی بجائے ایک مؤثّر اور مُفید علمی خدمت انجام پائے، الحمد للہ، کہ اَب یہ سکیم بڑی کامیابی کے ساتھ عمل میں آچُکی ہے، یعنی مطلوبہ ۱۰۰ (سو) علمی خطوط اِس خادم نے کینڈا اور ہونزہ میں اپنے قیام کے دَوران مکمّل کر کے خانۂ حکمت کو بھیج دیتے ہیں، اور یہ کتاب "علم کے موتی" جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے، اِنہی خطوط اور مضامین میں سے ہے۔

اِنسانی فطرت کے بھیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی بعض دفعہ دُور دُور سے آئی ہُوئی باتوں سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے، خواہ یہ مسافت و دُوری مکانی ہو یا زمانی، اِسی طرح وہ اپنے خیرخواہوں

کے خطوط کو بھی بڑی سختی کے ساتھ چاہتا ہے، یہ تو عام خطوط کی بات ہوتی، جن میں دُعا و سلام، خیر و عافیت اور حال و احوال کے علاوہ اگر کوئی چیز ہوتی ہے تو وہ تھوڑی سی خوشامدی ہے اور بس، اب اگر کسی شائق دیندار کو دینی علم پر مشتمل کوئی خط لکھا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ نہ صرف خوش ہو جائے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ اثر بھی قبول کریگا، چُنانچہ ہمیں تجربہ ہُوا ہے کہ خط و کتابت کے ذریعہ محدود پیمانے پر علم پھیلانے کا اصُول خُوب اور کامیاب ہے، خصُوصاً اُس صُورت میں جبکہ وہ لوگ آپ کے علم کو بہت پسند کرتے ہوں۔

اِس سلسلے میں حضرت مولانا امام سُلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ کا ایک مبارک ارشاد ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومنین آپس کی خط و کتابت میں دُنیا کی ضروری باتوں کے علاوہ دینی علم کی باتیں بھی لکھا کریں، اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر حقیقی علم بیٹھے بٹھائے نہیں ملتا تو خط و کتابت کے طریق سے بھی حاصل کرنا ضروری ہے، کیونکہ مذہبی تعلیم دُنیا کی ہر ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے۔

چونکہ یہ کتاب الگ الگ لکھے ہُوئے مکتوبات و مضامین سے ترتیب پائی ہے، لہٰذا اگر موضوعات کے آپس میں ربط و ترتیب نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، تاہم سارے موضوعات اپنے مقصدِ عالی میں باہم مل کر ایک ہو جاتے ہیں، اور وہ عظیم مقصد حضرت امام صلوات اللہ علیہ کے علم

رُوحانی کا ثبوت پیش کرتا ہے، کہ آپؑ کس طرح کتابِ ناطق اور معلّمِ قرآن ہیں، اور اِس لحاظ سے یہ کتاب معنوی طور پر بالکل مربوط و منظّم ہے۔

سرورق ہی سے ظاہر ہے کہ اِس پیاری کتاب کا پیارا نام "علم کے موتی" ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا ایک عظیمُ الشان پس منظر بھی درج کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے "امامِ عالیمقام کے علمی اور رُوحانی معجزات" جی ہاں، یہ حقیقت ہے اور اِس میں ذرا بھی شک نہیں، لیکن اِس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اِس فقیر کو علم و بزرگی کا کوئی دعویٰ ہے، بلکہ اِس کا صاف صاف مطلب تو یہ ہے کہ میں دراصل مفلس اور گدا ہُوں اور حقیقی علم کے غنی میرے شاہنشاہ ہیں، جو برحق امامؑ ہیں، ہاں اس رُوحانی علم کو، جو انتہائی پاک و پاکیزہ ہے پیش کرنے میں اگر کچھ لفظی خامیاں رہ گئی ہوں تو وہ اس خاکسار کی طرف سے ہیں۔

کسی آدمی میں ہمیشہ کی گریہ وزاری اور بڑائی دونوں متضاد چیزیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں، یعنی ان میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے اور اس کی ضد نہیں ہو سکتی، سو میری دُعا ہے کہ خُدا مجھے خشک بزرگی اور بڑائی نہ دے، بلکہ وہ مجھے حقیقی محبّت کے آنسو اور عاجزی عطا فرماتے! کیونکہ میں اپنے رُوحانی والدین کا شیر خوار بچّہ ہُوں، لہٰذا مجھے آنسوؤں کی قُربانی کے بغیر علم کا تازہ ترین دُودھ نہیں ملتا ہے، اِن باتوں سے مقصد ظاہر ہے کہ مَیں نے کبھی بڑائی کا دعویٰ ہی نہیں

کیا اور نہ ہی علم کا، جبکہ میں خود مفلس ہوں اور ہادیٔ برحق (یعنی امامِ زمان) علیہ السّلام کے مقدّس در سے علمی زکات مانگا کرتا ہوں۔

مجھے کامل یقین ہے کہ مستقبلِ قریب میں اسلام کی عالمگیر رُوح حرکت میں آئے گی، جس کے نتیجے میں ایک عظیم رُوحانی انقلاب برپا ہونے کو ہے، اس وقت رُوحانی علم کی سخت ضرورت ہوگی، اور حقیقت میں اب بھی وہی حال ہے، کیونکہ قیامت اور رُوحانیّت بہت ہی قریب ہے۔

مجھے جان و دل کی گہرائی سے "خانۂ حِکمت" اور "عارف" کے عزیزان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ وہ سعادت مند ارکان ان علمی مکتوبات کا باعث بنے، یہ بات صرف رسمی طور پر کہنے کی حد تک محدُود نہیں، بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ خُداوندِ عالم کی بارگاہِ اقدس میں ایک شخص کی نسبت زیادہ مومنین کی دُعا مقبُول تر ہوتی ہے، اور وہ ان کے نیک کاموں میں زیادہ مدد فرماتا ہے۔

خانۂ حکمت اور عارف کے سرپرست حضرات، عملداران اور ارکان کی گرانقدر خدمات کی شکر گزاری کے لئے عمدہ سے عمدہ الفاظ چاہئیں، لیکن حق بات تو یہ ہے کہ ان کی عظیم قدر بانیاں لفظوں اور جُملوں کی ظرفیت سے باہر ہیں، لہٰذا انتہائی عاجزی سے دُعا ہے کہ پروردگارِ دوجہان اِن عزیزوں کی جُملہ نیک مُرادات کو پُوری کرے!

اور ان کو دُنیا و آخرت کی سُرخروئی و سرفرازی سے نوازے! آمین!!

جب تک گلشن کے پھُولوں میں سے خُوشبوئیں پھیلتی رہتی ہیں تب تک وہ زبانِ حال سے باغبانوں کی شکر گُزاری اور خیر خواہی کرتی رہتی ہیں، مگر موسم خزاں کے آنے کے ساتھ ہی دُعا و ثنا کا یہ سلسلہ خاموش ہو جاتا ہے، اِس کے برعکس ہمارے خانۂ حکمت اور عارف کے شفیق و مہربان باغبانوں نے کتابوں کے جو جو باغ و گُلشن پیاری جماعت کے لئے سجائے ہیں اِن کے پھُولوں اور پھلوں کی مسلسل دُعاؤں کا کیا کہنا کہ یہ تو اِن شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری و باقی ہوں گی۔

امامِ زمانؑ کا ایک ادنیٰ غُلام

نصیر ہونزائی

روزِ جُمعہ ۲۴ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ / ۲ر جنوری سنہ ۱۹۸۱ء سالِ مُرغ

نوٹ:۔ اگرچہ اِس کتاب میں براہِ راست یہ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ امام اقدس و اطہر علیہ السّلام کے علمی و رُوحانی معجزات کن کن صورتوں میں وقوع پذیر ہو جاتے ہیں اور ان کی کیفیّت و حقیقت کیا ہے، تاہم ایسے باسعادت مومنین کے لئے اِن پر یقین رکھنا کوئی مُشکل نہیں، جنہوں نے یا تو ذاتی

طور پر رُوحانیّت کا مُشاہدہ اور تجربہ کیا ہے یا بہت سے اِسلامی کُتب کے بعد اسماعیلی تاویلات کا مطالعہ کیا ہے، یا یہ کہ وہ عام عِلم رکھنے کے باوجُود امامؑ کی محبّت اور دینی عقیدت کی روشنی میں اِس امر کی تحقیق کرسکتے ہیں۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گوہرِ عقل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جن معنوں میں کائنات و موجُودات کو پیدا کیا، اس کی تشریح یہ ہے کہ اُس حکمت والے نے سب سے پہلے صرف ایک ہی چیز بنائی، آپ اسے عقلِ کُلّی مانیں یا قلمِ قُدرت یا نُورِ مُحمّدیؐ نام اور اصطلاح کچھ بھی ہو مطلب ایک ہی ہے، پھر اُس سے دُوسرا درجہ پیدا ہُوا اور پھر ہر چیز پیدا کی گئی۔ دُوسرے درجے کا مطلب نفسِ کُلّی ہے۔

اَب یہ سوچنا اور دریافت کرنا ہے کہ اِنسان جو اِس دُنیا میں آیا ہے وہ جب بھی واپس خُدا کے حضور جائے گا اس میں کیا وہ درجات کی اِس سیڑھی سے زینہ بزینہ چڑھ کر جائے گا یا اِس کے بغیر کِسی اور راستہ سے جائے گا؟

۲۔ قرآنِ حکیم کی حکمتوں کی روشنی میں دیکھنے سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آنے اور جانے کا راستہ صرف ایک ہی ہے، لہٰذا وہ

جیسے دُنیا میں آیا تھا ویسے واپس اپنے اصل مقام کی طرف چلا جائیگا۔

۳۔ ارشادِ خُداوندی ہے :۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۲۱/۱۰۴۔

ظاہری ترجمہ کے لئے آپ کسی مُستند مترجم قرآن کو لیجئے، میں صرف اِس کے تاویلی پہلو سے بحث کروں گا کہ اِس فرمانِ الٰہی میں قیامت کے دن کے اُس واقعہ کا ذکر ہے جس میں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو اِسی طرح سیمٹ لے گا جس طرح کہ یہ پیدا ہوتے وقت سمیٹی ہُوئی تھی، اور اشارہ یہ ہے کہ نہ صرف مادّی کائنات کو بلکہ عالمِ رُوحانیت کو بھی سمیٹ لیا جاتے گا، اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ بندۂ مومن کی رُوحانی اور عرفانی قیامت نہیں ہوتی ہے، جب تک کہ وہ علمی اور رُوحانی مشاہدے میں یہ نہ دیکھے کہ "گوہرِ عقل" (عقل کا موتی) کے مقام پر عالمِ دین اور کائناتِ علم ایک گوہر کی طرح متّحد ہے۔ شروع اور آخر میں کائنات کے سمٹنے کے یہی معنی ہیں۔

۴۔ آیۂ مُبارکہ کے اشارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس طرح کتابوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں مختلف لفظوں اور جُملوں کے لئے ایک ہی سیاہی سے کام لیا جا سکتا ہے، اِسی طرح کائنات و موجُودات کے آغاز و انجام میں ایسی وحدت ہے جیسے دوات کی سیاہی میں یا سیاہی

کے گولے میں ہوتی ہے۔

۵ - اِس کے معنی یہ ہیں کہ خُدا کے خزانے میں بس صرف ایک ہی موتی ہے، جو دونوں جہاں کی قیمت رکھتا ہے، کیونکہ وہ دونوں جہاں کا خلاصہ ہے اور دونوں کا سرمایہ و سرچشمہ، اِس لئے کہ دونوں جہان بصُورتِ لطافت اِس میں سمو گئے ہیں، اور بڑی عجیب بات ہے کہ وہی سب کچھُ ہے۔

۶ - وہی موتی پھیلتے پھیلتے ایک کائنات کی شکل اختیار کرتا ہے اور وہی سمٹتے سمٹتے ایک گوہر بن جاتا ہے، وہی عِلم کی ایک عظیم کائنات ہے اور وہی عِلم کا ایک ہی کلمہ ہے، وہی خُدا کا ایک نام ہے اور وہی سب نام، وہی ایک بھی ہے اور بے شمار بھی، وہی قلم بھی ہے اور ساری تحریرات بھی۔ وہی نورِ محمّدی بھی ہے اور سارے انبیاء بھی، وہی رُوحِ اعظم بھی ہے اور تمام رُوحیں بھی اور وہی دُنیا بھی ہے اور آخرت بھی۔

۷ - جس کسی کو کائنات و موجُودات کی وحدت کی یہ مثال سمجھ آتی ہے، وہ دین کی وحدت کو سمجھ سکتا ہے اور خُدا کی توحید کو بھی سمجھ سکتا ہے، اور وہ اس کا حقدار ہے کہ رُوحانی سلطنت اس کی ہو جائے، کتنی عُمدہ اور پُرحکمت بات ہے، کہ ظاہر و باطن کی تمام چیزیں ایک گوہر کی شکل میں جمع ہو کر خزانۂ الٰہی بن جاتی ہیں اور بس ہر مومن کو وہی

ایک گوہر چاہیئے۔

۸۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا، کہ یہ بات کتنی بلندی کی ہے اور اِس کے اندر کتنا علم سمویا ہُوا ہے، اور عزیزوں کو مولا کیا کیا دینا چاہتا ہے، میرے نزدیک اِس سے اعلیٰ کوئی بات نہیں، کیونکہ گوہرِ عقل پہ بات ختم ہو جاتی ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اَب ہم بات ہی نہیں کریں گے، کیونکہ ہماری باتیں ختم ہو گئیں، ہم تو اَب پہلے سے کہیں زیادہ باتیں کریں گے، مگر پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ بات دُوسروں کو کیوں بتانا چاہیئے؟ کیا وہ اِس کے اہل ہیں؟ کیا وہ اس کو سمجھ سکیں گے ؟ بہر حال آپ سوچیں اور خُوب سوچیں۔

۹۔ مزید تشریح کسی اور وقت کریں گے، اَب اِس سلسلے کی دُوسری آیت پیش کرتا ہُوں تاکہ آپ کو اور زیادہ قوّت اور علم و حکمت کی رُوح ملے، وہ ارشاد یہ ہے:۔

۱۰۔ اور ان لوگوں نے خُدا کی جیسی قدر کرنی چاہیئے تھی اِس کی قدر نہیں کی اور زمین قیامت کے دِن خُدا کی مُٹھّی میں ہوگی اور تمام آسمان اِس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہُوئے ہوں گے ۳۹/۶۷ ہمیشہ خُدا کی تاویل امام ہی ہُوا کرتے ہیں، پس ارشاد ہے کہ اُنہوں نے امام کی قدر نہیں کی اِس معنیٰ میں اُنہوں نے خُدا کی قدر نہیں کی، اور مُشاہدۂ رُوحانیت میں زمینِ دعوت (اور زمینِ رُوحانیت) اسمِ اعظم کی رُوح میں امام

کے قبضۂ قدُرت میں ہوگی اور علم وحکمت کے سارے آسمان گوہرِ عقل میں سموئے ہُوئے ہوں گے جو امام اپنے داہنے ہاتھ سے دکھائیں گے۔

۱۱۔ یہ تو رُوحانیت کی عملی تاویل ہے جو کسی توجیہہ کے بغیر براہِ راست کی گئی ہے، اِس کے علاوہ ظاہری عقل و منطق سے بھی بات کریں تو بھی یہی بات بنتی ہے، کہ دانشمند جانتا ہے کہ یہ بات ظاہری اور مادی طور پر ناممکن ہے، لہٰذا اس کی تاویل ہے اور تاویل کا دارومدار رُوحانیت کی مثالوں پر ہے، اور رُوحانیت کے ہر مقام پر امام ہی ہیں جو مظہرِ نورِ خُدا کی حیثیت سے خُدا کی نمائندگی کرتے ہیں، چُنانچہ امامِ اقدس ہی کے قبضے میں زمین رُوحانیت ہے اور وہی گوہرِ عقل دکھاتے ہیں جس میں کائنات سموئی ہُوئی ہے، ورنہ خُدا ہاتھ پاؤں وغیرہ کے تصوّر سے برتر ہے۔

۱۲۔ جب قبضہ کا اور ہاتھ کا ذکر ہے تو ظاہر میں یا باطن میں اس کا ہونا ضروری ہے، اِسی طرح جب زمین اور آسمان کا ذکر ہے تو اس میں یا تو مادّی زمین و آسمان ہوگا یا رُوحانی، اِس سے اگر قبضۂ قدُرت مُراد لیا جائے تو صحیح نہیں ہے، کیونکہ قبضۂ قدُرت میں تو اَب بھی ہے، یہاں اشارہ ایک خاص وقت کے لئے ہے اور وہ قیامت ہے یعنی رُوحانیت۔

ہم نے اپنے کمزور اور تھکے ہُوئے شکستہ قلم سے یہ باتیں لکھی ہیں اِس اعتماد پر کہ ہمارے عزیزان اِن باتوں سے فائدہ حاصل کریں گے اور عالیشان خدمت کے لئے تیار ہو جائیں گے، اگر کوئی سوال پیدا

ہوتا ہے تو نوٹ کریں، اور بوقتِ مُلاقات پُوچھیں۔

جب باطن میں وہ گوہر امام ہی دکھاتے ہیں، تو جاننے کی ضرورت ہے کہ امام ہی سب کچھ ہیں اور جس کو امام مل جاتا ہے، تو خُداوندی کا سارا خزانہ بحدِّ قوّت (POTENTIALLY) مل چُکا ہوتا ہے، لہٰذا اُب صرف عمل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بحدِّ فعل وہ خزانہ حاصل ہو۔

آپ کا دُعاگو

نصیر ہونزائی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

عظیم آیات

قرآنِ حکیم کی ہر ہر آیت عظیم ہے، اِس لئے کہ وہ خُدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اِس لئے کہ کوئی آیت اپنے اندر حکمت کا ایک گرانمایہ خزانہ لئے بغیر نہیں، تاہم یہ بھی اللہ کی حکمت و مصلحت ہے کہ بعض آیات زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر ہم کو اللہ تعالیٰ کے سب ناموں کے رُوحانی خزانے چاہئیں، تو وہ تمام کے تمام خزائن صرف ایک مبارک نام کے اندر جمع ہیں، اور وہ پاک نام اسمِ اعظم ہے، اگر ہمارا دل سابقہ آسمانی کتابوں کے لئے جلتا ہے تو وہ سب قرآنِ حکیم میں یکجا مل سکتی ہیں، اگر ہم ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو بڑی سختی سے چاہتے ہیں تو یہ تمام انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم میں ملیں گے، اگر ہم نورِ مصطفےٰ کو چاہتے ہیں اور اِس چاہت کی شرطوں کو بھی بجا لا سکتے ہیں تو یہ مقدس نور ہم کو ذاتِ علیؑ عالی میں ملے گا، اور اگر ہم علی اور ائمۂ آلِ علی کو جُملہ فضائلِ صوری و معنوی کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ سب ائمۂ طاہرین زمانے کے امام علیہ السّلام کی پاکیزہ شخصیّت اور نورانیّت میں ملیں گے، اس مثال سے ایک طرف تو یہ پتہ چلتا ہے کہ امامِ مُبین کی ذاتِ اقدس میں کس طرح سب چیزیں جمع ہیں، اور دُوسری طرف یہ ثبوت ملتا ہے کہ بیشک قرآنِ حکیم کی چند عظیم آیات ایسی

ہیں کہ اُن میں دُوسری سب آیتوں کا مطلب اور مغز سمو گیا ہے جیسے سورۃ فاتحہ میں سارے قرآن کا خلاصہ آگیا ہے اور اس معنیٰ میں یہ سورہ ام الکتاب ہے۔

حضرت مولانا امیرالمومنین علی علیہ السّلام کے ایک ارشادِ مبارک کے مطابق قرآنِ پاک کی بڑی بڑی آیتوں کا نام "کرائم القرآن" ہے، یعنی قرآن کی بُزرگ آیات، اِسی پاک ارشاد میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کی یہ بُزرگ آیات علیؑ اور أئمۂؑ اولادِ علیؑ کی شانِ اقدس میں ہیں اور پھر مذکورہ اصُول کے مطابق یہ ساری فضیلتیں امامِ زمان سے متعلق ہوجاتی ہیں۔

امامِ زمان کا نُور، ہی قرآن سے باخبر مومنین کو بتا سکتا ہے کہ وہ آیات کون کون سی ہیں جن کے اندر سارے قرآن کا مطلب جمع ہوجاتا ہے، اور اِس کے لئے مومنین میں سے جو بھی چاہیں تو خود کو تیار کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ ایک بلند ترین مرتبہ ہے جو اپنے مقام سے نیچے نہیں آسکتا ہے بلکہ اس کے حصُول کے لئے ارتقاء کی ضرورت ہے، تاکہ اِس وسیلے سے مومنین کو معراجِ یقین حاصل ہو۔

اَب ہمارے عزیزوں کی طرف سے یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ عِلم الیقین کے طور پر ان آیاتِ بزرگ میں سے بعض کی نِشاندہی کی جائے یا کوئی مثال بتادی جائے؟ سو اِس کا جواب

اثبات میں ہے، اور ہم اس سلسلے میں سب سے پہلے آیۂ نور ۳۵/۲۴ کو لیتے ہیں کہ یہ نور سے متعلق تمام آیات کی چوٹی پر ہے، اور اس سے نور کے موضوع کی ہر آیت پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ آیت :-

"اللہ نور السّموات" سورج کی طرح ہے اور باقی آیاتِ نور چاند اور ستاروں کی طرح ہیں، یہ گویا قرآن کی روشنی کی دنیا ہے، جس میں معنوی طور پر سب کچھ ہے، اور یہ سب کچھ نور کی عظیم آیت میں مل جاتا ہے، جیسے مادّی روشنیوں کے تمام خزانے سورج کی اصل میں پائے جاتے ہیں۔

آیاتِ نور کی اتنی اہمیّت کیوں ہے؟ اور ان کی قابلِ فہم حکمتیں کون کون سی ہیں؟ اگر اس بارے میں بھی کچھ وضاحت کی جائے تو شاید دوسری اہم آیتوں کی بابت بھی کچھ اندازہ ہو، سو وہ وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین (اسلام) کی بنیاد اپنی مخلوقات کی مثالوں پر رکھی تاکہ خلق سے اس کے دین کی دلیل ملے اور دین سے اس کی وحدانیت کی دلیل ملے (حدیث) اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اس مادّی کائنات کی تمام برکتوں اور قوّتوں کا سرچشمہ صرف ایک ہی ہے، اور وہ سورج ہے جس سے دنیا بھر کی چیزیں قائم ہیں اور ان کی ہر ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اسی طرح عالمِ دین میں نورِ ہدایت کا سورج ہے جو تمام روحانی خزانوں کا اساسی اور اصلی خزانہ ہے اور کُلّ طاقتیں اور فضیلتیں یہیں سے

عطا کی جاتی ہیں، چنانچہ آیاتِ نور میں دین اور رُوحانیت کی سب سے عظیم طاقت کی نقشہ کشی کی گئی ہے، اور وہ نقشہ سُورج، چاند اور ستاروں کی طرح ہے تاکہ عالمِ ظاہر اور عالمِ باطن (یعنی دین) کے درمیان بہت مشابہت ہو، جیسا کہ مذکورہ حدیث کا بیان ہے۔

قرآن میں نُورانی آیات اور ان کا مضمون ایک پُل کی طرح ہے جو ظاہر کو باطن سے اور دُنیا کو آخرت سے ملا دیتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بندوں کو خُدا سے مِلا دیتا ہے، کیونکہ نُور کے تصوّر نے خُداشناسی سے متعلق تمام مُشکلات آسان اور ساری مایُوسیاں ختم کر دی ہیں، جبکہ اللہ پاک نے اپنے آپ کو بلندی و پستی کا نُور قرار دیکر اِس حقیقت کا اعلان فرمادیا کہ زمین پر بھی خُدا کا نُور مِل سکتا ہے جبکہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ" کے ارشاد میں توحیدِ نُور کے اِس اصُول کا ذکر ہے کہ ایک نُور پر دُوسرا نورُ ہے، اور دونوں کی حقیقت ایک ہے، یعنی ذاتِ خُدا کی جو روشنی آسمان پر ہے اور جو روشنی زمین پر ہے اِس میں بحقیقت کوئی دُوئی نہیں ہے بلکہ اِس میں وحدت ہی وحدت ہے، کیونکہ کائنات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے نُور کا تصوّر ایسا نہیں جیسے سُورج کی روشنی کا ہے، کہ ظاہری اور مادّی روشنی کائنات کی سطحوں کو جگمگانے کے لئے بِکھر بِکھر کر اصل سرچشمہ سے دُور جا پڑتی ہے، اِس کے بالکل برعکس باطنی اور رُوحانی روشنی مسافت و دُوری کے

بغیر آسمان و زمین کی رُوحانی اور نورانی شکل کو اپنی ذات میں یعنی لامکانی طور پرپیش کرتی ہے، اِس سے دانشمند پر یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ دراصل یا فی نفسہٖ نُور میں دوئی اور کثرت کا کوئی امکان نہیں، مگر ظاہری اور مجازی طور پر دوئی اور کثرت کی بات دُرست ہے۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (ایک نُور پر دُوسرا نُور ہے) میں نُور کی کثرت و وحدت دونوں کا ذکر ہے، جس میں کثرت ظاہر کی طرف ہے اور وحدت باطن کی طرف، مثال کے طور پر جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ پاک و برتر ذات آسمانوں اور زمین کا نُور ہے، تو اس کی یہ تاویل ہوتی ہے کہ اس کا نُور حدودِ رُوحانی اور حدودِ جسمانی میں طلُوع ہُوا ہے' یعنی عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کی ذات میں یہ نُور طلُوع ہُوا ہے جو دو عظیم فرشتے اور رُوحانیت کے آسمان ہیں' اور ناطق اور اساس کے باطن میں یہ نُور طلُوع ہُوا ہے جو دو کامل اِنسان اور رُوحانیت کی زمین ہیں' پس "نُورٌ علیٰ نُورٌ" میں مظاہرِ نُور کی ظاہری کثرت اور باطنی وحدت کا ذکر ہے' ورنہ ذاتِ سُبحان کے تصوّر میں "نُور پر نُور ہے" کا کوئی مطلب نہیں بنتا ہے۔

آیاتِ نُور کی یہ شان دیکھئے کہ "نُورٌ علیٰ نُورٌ" پُوری آیت بھی نہیں صرف ایک ٹکڑا ہے جس میں ایک اعتبار سے تین لفظ ہیں' دُوسرے اعتبار سے دو ہیں اور تیسرے اعتبار سے صرف ایک اسم ہے (نُور)

اور ایک حرف (علی)، مگر یہ حکمت کا ایک مکمّل باب ہے، جس کی تعلیم کی روشنی میں ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ نورِ خُداوندی کے وہ مظاہر جو تمام فرشتوں کے لئے مقرّر ہیں اور وہ مظاہر جو انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں کس طرح آپس میں ایک ہو سکتے ہیں، صرف یہی نہیں کہ عظیم فرشتوں اور انبیاء و ائمہؑ کی نُورانیت کو ایک وحدت کے طور پر مان لیا جاتے، بلکہ ارواحِ مومنین بھی اِسی نُورانی وحدت میں فنا ہو کر ایک ہو سکتی ہیں۔

جب مومنین کی کم علمی کے سائے نُورِ علم کی روشنی سے مٹ جائیں گے تو وہ بغیر سایہ کے نُور سے مل جائیں گے، جیسے قرآن میں وجُودِ انسانی کی تشبیہ سائے سے اور نورِ خُدا کی مثال سُورج سے دی گئی ہے، وہ ارشاد یہ ہے:-

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ج ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡهِ دَلِیۡلًا۔ ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ۲۵/۴۵-۴۶ (اے رسُولؐ) کیا تم نے اپنے پروردگار کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی کہ اُس نے کیوں کر سایہ کو پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے (ایک جگہ) ٹھہرا ہُوا کر دیتا پھر ہم نے آفتاب کو اس کا رہنما بنا دیا پھر ہم نے اس کو بڑی آسانی سے اپنی گرفت میں لیا۔

دُنیا میں ظاہری چیزوں کا سایہ دو قسم کا ہے، جُزوی سایہ یعنی

درختوں وغیرہ کا، کُلّی سایہ یعنی زمین کا، جو رات کے نام سے ہے، مگر ان میں کوئی سایہ ایسا نہیں جو سورج کی رہنمائی کے نتیجے میں خدا کی مُٹھّی میں چلا جاتا ہو، کیونکہ درختوں اور دُوسری بہت سی چیزوں کے سائے تو غروبِ آفتاب کے ساتھ ساتھ رات کے کنارے سے مل کر اسی میں صبح سُورج کے نکلنے تک ڈوبے رہتے ہیں اور رات تو کُرّۂ ارض پر ہمیشہ گھُومتی رہتی ہے۔ وہ اپنی کُلّیت میں پھیلتی اور سِمٹتی نہیں ہے، اِس سے معلوم ہُوا کہ مذکورہ سایہ اِنسانوں کا مجموعی وجُود ہے، سُورج جس کی مُراد نُورِ خُداوندی ہے، اِسی کی رہنمائی کرتا ہے، جس کے نتیجے میں سب انسان آپس میں ملتے ملتے آخر میں فردِ واحد میں جمع ہو جاتے ہیں، یا یُوں کہنا چاہیئے کہ نفسِ واحدہ (۲۸/۲۱) میں سب کی قیامت برپا ہو جاتی ہے یعنی وہاں ان کا حشر ہوتا ہے۔

ہم نے اپنی بساط کے مطابق عظیم آیات کی ایک وضاحت کی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اگر کسی پیاسے نے ایک بے پایاں سمندر سے پانی پی لیا تو وہ کچھ کم ہو گیا، مگر بات دراصل یہ ہے کہ جو نُور کا پانی امامِ برحق کی ہدایت و رہنمائی میں ملتا ہے وہ کس قدر شیریں اور صاف و شفّاف ہے۔

گوہلیف

۲۲ / اپریل ۱۹۸۰ء

آئینہ خانۂ قرآن

مثال کے طور پر ایک پاک و صاف مکان ہے جس کے اندر چھ اطراف میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے آئینے نصب کئے گئے ہیں، مکان کے درمیان ایک روشن چراغ تابناک شعاعیں بکھیر رہا ہے، اب اس روشنی میں گھر کی تمام چیزیں ہر آئینے میں دکھائی دے رہی ہیں، آپ جس طرف بھی جائیں جس آئینے کو بھی دیکھیں، اس میں گھر کی سب چیزیں نظر آئیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کا ممثول کیا ہے؟ گھر قرآنِ پاک ہے، آئینے آیات ہیں، چراغِ روشن امام ہیں اور گھر کی چیزیں حقائق و معارف ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ نورِ امامت کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن کی ہر آیت بجائے خود حقیقتوں اور معرفتوں کی ایک مکمّل کتاب ہے۔

مذکورہ گھر میں باہر سے کوئی آدمی آتا ہے جس کی آنکھوں میں ایک ایسی بیماری تھی کہ جس سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں پھر وہ یکایک آنکھیں بند کر لیتا ہے جس سے وہ وہاں کچھ نہیں دیکھ سکتا ہے۔ یہ مثال

ہے ان لوگوں کی جو نورِ امامت سے انکار کرنے کے نتیجے میں قرآنی حکمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسی گھر میں کچھ دُوسرے لوگ آتے ہیں، جن میں سے بعض کے پاس فلم اُتارنے کے سامان ہیں بعض تصویریں لے سکتے ہیں اور بعض صرف آنکھوں سے چیزوں کو وقتی طور پر دیکھتے ہیں، یہ اُن لوگوں کی مثال ہے جو رُوحانیت کے مختلف درجات پر خانۂ قرآن میں داخل ہو جاتے ہیں، جن کو امام کی معرفت حاصل ہے۔

سائنس کا ظاہری مقصد مادّی ترقی ہے، اور اس کا باطنی مقصد یہ ہے کہ ہم اِس کی مثال سے رُوحانیت کو سمجھ لیں، وہ یہ کہ جس طرح باور کیا جاتا ہے کہ ہر عُمدہ چیز بہشت سے آتی ہے اور بہشت رُوحانیت کا نام ہے، سو سائنس کی مُفید چیزیں بہشت سے یعنی رُوحانیت سے آتی ہیں، مگر یہ ہے کہ یہ چیزیں رُوحانیت میں اعلیٰ سے اعلیٰ ہیں اور مادّیت میں ادنیٰ سے ادنیٰ، چنانچہ اسی سائنس کی روشنی میں آپ سوچیں کہ آج کے زمانے میں کسی اہم واقعے کو کن کن طریقوں سے ریکارڈ (محفوظ) کیا جاتا ہے؟ بہت سے طریقے ہیں نا؟

پس باور کرنا چاہیئے کہ رُوحانیت میں قرآن کی نزولی صورت مکمّل طور پر محفوظ ہے، جس کا مُشاہدہ حصُولِ معرفت کے سلسلے میں ہو سکتا ہے، اِس سے پہلے نہیں۔

یہ بات بہت ضروری ہے اِس لئے دو بارہ بتاتا ہوں کہ اصلی سائنس خُدا کی طرف سے ہے، اِس لئے اس کی مزید ترّقی ہوگی، اور آنے والے وقت میں یہ رُوحانیت کی شکل میں ظاہر ہونے لگیں گی، اُس وقت لوگ بہت سی چیزوں کو نئے سرے سے سمجھنے لگیں گے اور اس کا ذکر قرآن میں موجُود ہے، اُس زمانے میں قرآن کی رُوح کے متعلق بھی یاد رکیا جائے گا کہ وہ رُوحانیت میں محفوظ اور موجُود ہے۔

رُوحِ قرآن کو پہچاننے کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ رُوحِ نباتی پر رُوحِ حیوانی قائم ہے، رُوحِ حیوانی پر رُوحِ انسانی ٹھہری ہوئی ہے، جس پر رُوحِ قدسی قائم ہوسکتی ہے اور اسی میں قرآن کی رُوح بھی ہے۔

اِس سے معلوم ہُوا کہ رُوح میں رُوح ہے یا یُوں کہا جائے کہ رُوح پر رُوح قائم ہے، سو قرآن کی رُوح امام میں ہے اور نوُر ہی رُوح ہے، جس میں قرآن کی بولتی حِکمتیں موجُود ہیں۔

مومنین کی کتنی بڑی سعادت ہے کہ ایسی قدسی رُوح یعنی نوُر سے جو امام میں ہے ان کو بھی روشنی ملتی ہے، اور اِس روشنی کی ترّقی اِس حد تک ممکن ہے کہ مومن کی ہستی کا قطرہ امام کے نوُر کے سمندر میں گُم ہو جائے، تاکہ معرفت جیسا کہ حق ہے حاصل ہو اور دُوئی درمیان سے اُٹھ جائے۔

میرے عزیز! میں اِس معیار کے خطوط بہت بڑی توّجہ اور

ذمّہ داری سے لکھتا ہُوں، مُجھ کو معلوم ہے کہ ایک وقت میں ان خطُوط کی بہت ضرورت ہوگی، میرے عـزیزوں کو معلوم ہے کہ ایک وقت میں اِن خطوط کی بہت ضرورت ہوگی، میرے عـزیزوں کو معلوم ہے کہ مَیں یہ باتیں کہاں سے اورکس طرح کرتا ہُوں، وہ میرے کام سے خوُب واقف ہیں، اُنہوں نے قدر دانی کے ساتھ میری تحـریروں کا بغور مطالعہ شرُوع کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ خطوط یُوں ہی شغل کے طور پر نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک جدید اور کامیاب طریقہ ہے جس میں زیادہ توجّہ اور دلچسپی کے ساتھ علم کی اعلیٰ باتوں کو ذہن نشین کیا جا سکتا ہے، اِنشاءاللہ خُداوند کو منظوُر ہُوا تو ایسے سو خطوط مکمّل کریں گے۔

ہر آیت آئینۂ امامت

آئیے عزیزانِ من! آج بھی دُنیائے قرآن کی عظیم عظیم حکمتوں کا کچھ نظارہ کریں، آیئے، ہم اپنی خودی کے آہنی پنجرے کو توڑ کے عالمِ قرآن کی معنوی بلندیوں میں پرواز کریں، آیئے نُورِ اقدس سے تائیدِ رُوحانی طلب کر کے بحرِ حقیقت سے کچھ موتی نکالنے کی کوشش کریں، آمین! یاربّ العٰلمین!!

یہ بات نہ صرف روایت کی حد تک محدُود ہے بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ نُورِ امامت کے مُبارک تذکروں سے قرآنِ پاک کی کوئی آیت خالی نہیں، خواہ آیت کا موضوع کچھ بھی ہو، لیکن اِس کی تاویل و حکمت میں براہِ راست یا بالواسطہ مولا علی اور ائمّۂ پاکِ اولادِ علی (علیہم السّلام) کا ذکر ضرور موجُود ہے، ہم ذیل میں اِس ہمہ گیر حقیقت کی کچھ مثالیں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:۔

۱۔ قرآن میں "ایمان اور مومنین" ایک بہت بڑا موضوع ہے، اور اِس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کا کوئی صفحہ بلکہ کوئی آیت اِس موضوع سے باہر نہیں، اور ایسے عظیم قرآنی موضوع میں امام عالی قدر کا پاک ذکر تفسیر و تاویل دونوں لحاظ سے موجُود ہے، تفسیر میں اِس لئے

کہ علیؑ ہی نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی نبوّت و رسالت کی تصدیق کی ہے (جس کو ظاہری لفظ ایمان میں لانا کہا جاتا ہے) علی ہی امیر المومنین ہیں، یعنی مومنوں کے سردار و سرتاج، پس امام ہی ایمان کے سرچشمہ اور مرکز ہیں، چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں مومنین کی تعریف و توصیف آتی ہے وہاں پر امیرِ مومنان پیش پیش ہوتے ہیں، اور جہاں جہاں مومنین کی کسی کمزوری کا بیان آتا ہے تو اس کا اطلاق امیر المومنین پہ ہرگز نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں بھی مومنین کے سردار کو معیارِ ایمان قرار دے کر فرمایا جاتا ہے کہ تُم اپنے امیر (اولوالامر) کے نقشِ قدم پر کیُوں نہیں چلتے ہو اور نمونۂ عمل کو کیُوں نہیں اپناتے ہو، آپ کو مُستند تفاسیر میں ایسی بہت سی باتیں ملیں گی جن سے اِس تصوّر کی تصدیق ہوتی ہے، اور تاویل کے لحاظ سے ایمان کا سرچشمہ امام اِس لئے ہیں کہ حقیقت میں ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جبکہ خُدا و رسُولؐ کے ساتھ امام پر بھی ایمان لایا جائے، کیونکہ خُدا پر ایمان لانا کافی نہیں ہے، اِس لئے کہ بغیر پیغمبر کے دین کا کام اور خُدا کا مقصد پُورا نہیں ہوتا ہے، یہ تو صرف رسُولؐ کی زندگی کے زمانے کی بات ہُوئی، آپؐ کے بعد پھر وہی خُدا کی نمائندگی کی ضرورت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حضورؐ کے بعد خُدا و رسُولؐ کا خلیفۂ برحق امام ہیں پس ایمان انہی کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہو جاتا ہے، جس طرح کہ پیغمبرؐ کے وقت میں ایمان لانا رسُول ہی کے وسیلے سے تھا۔ (اس میں

بڑا راز ہے)

۲۔ قرآن میں کتابِ سماوی کا تذکرہ ہے اور کتاب و قرآن کی تاویل امام ہیں، کیونکہ کتابِ صامت کے معلّم اور خود کتابِ ناطق امام ہی ہیں، اور کتاب کا مقصد ہدایتِ الٰہی ہے تو پروردگارِ عالم کی ظاہری و باطنی ہدایت امامِ برحق ہیں جو مُنہ بولتی رُبّانی ہدایت ہیں۔

۳۔ قرآن میں نُور کا ذکر عالی شان طور پر فرمایا گیا ہے، اور نُورِ الٰہی امامِ زمان ہیں، جس کی روشنی میں صراطِ مُستقیم کی ہدایت مل سکتی ہے، یہ وہ نُور ہے جس میں فنا ہو جانے سے کائنات و موجُودات کے تمام بھیدوں کا خزانہ مل سکتا ہے، کیونکہ خُدا نے خود کو نُور قرار دے کر فرمایا کہ وہ سماوات و ارض کا نور ہے، جس کا اشارہ ہے کہ جو بھی اس نُور کی روشنی کو پائے وہ آسمان و زمین کے باطن کے اسرار کو دیکھ سکے گا، اور وہ کائنات و موجُودات کی رُوحانی سلطنت کو پائے گا۔

۴۔ قرآن میں فرشتوں اور عظیم رُوحوں کا ذکر ہے، جو امام کے نُورِ مطلق کی شعاعیں (RAYS) ہیں، پس فرشتوں اور رُوحوں کے تذکروں میں آگے سے آگے چلیں تو امام کا براہِ راست ذکر ملتا ہے، اِس کے علاوہ امام کی مُبارک شخصیت کو بھی قرآن کی زبان میں فرشتہ کہا ہے اور ایسے فرشتے کی علامتیں بھی بتائی گئی ہیں۔

۵۔ قرآن میں عِلم کا ذکر ہے جو بہت بڑا موضوع ہے اور قرآن

خود شروع سے لے کر آخر تک علم ہی ہے، اور نورِ علم کا سرچشمہ امام ہے، اور علم نور کے معنی سے الگ نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہدایت سے جُدا ہے، بلکہ یہ تینوں حقیقتیں ایک ہی ہیں مگر اس کے الگ الگ تین نام ہیں اور اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔

۶۔ قرآن میں بہشت کا بیان آیا ہے جو پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے (۵۷، ۲۱، ۳؛ ۱۳۳) یہ امام کا جسمِ لطیف، رُوحِ کُلّی اور عقلِ کُلّی کا دُوسرا نام ہے، امام کا لطیف جسم کائنات کے برابر ہے اور کائنات پر محیط ہے اور اسی میں نفسِ کُلّی اور عقلِ کُلّی کی بہشت موجود ہے جو امام کی عظیم رُوح وعقل ہے۔

ایسا نہیں کہ یہ بہشت روایتی بہشت سے کچھ کم ہے بلکہ روایتی بہشت کی حقیقت یہی ہے اور اس میں سب کچھ ہے، جو کچھ کہ انسانی عقل و جان کی لذّت وراحت کے لئے ہونا چاہئے اور جو کچھ کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کے بموجب ہونا چاہئے، لطیف جسم میں جسم کی سب حاجتیں پُوری ہو جاتی ہیں، عظیم رُوح میں رُوح کی کُل نعمتیں موجود ہیں اور عظیم عقل میں ساری عقلی راحتیں مہیّا ہیں۔

۷۔ قرآن میں انبیاء کے اوصاف کا ذکر ہے، جو سب کے سب کامل انسانوں کی حیثیت سے تھے، اور امام ہر زمانے میں کامل انسان ہیں اور پیغمبروں کے وزیر اور وصی رہے ہیں، لہٰذا جہاں کہیں

قرآن میں کسی پیغمبر کا قصہ آتا ہے تو اس میں امام کا ذکر موجود ہے، اور نورِ ازل سے اِس طرف ایک ہی چلا آتا ہے۔

۸۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، اور یہ صفات ۱۰۰ (سو) ہیں، اور تمام قرآن خدا کے ۱۰۰ ناموں کے گھیرے میں ہے، یعنی ایک اعتبار سے قرآن کے صرف سو مضامین ہیں، اِس سلسلے میں خدا کا ہر نام ایک موضوع ہے چنانچہ خدا کا ایک نام علیم ہے جو علم کا موضوع ہے، حکیم حکمت مضمون ہے، اور خالق خلقت و تخلیق کا موضوع، علیٰ ہذا القیاس پس ہر آیت کسی اسمِ الٰہی کی تفسیر و تشریح ہے، اور اسم آیت کا خلاصہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر دفعہ آیت کے آخر میں کوئی اسم آتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت اسم کے تحت بولتی تھی، اسم کے قانون کے مطابق کام کرتی تھی، اسم کی تشریح تھی اور آخر میں اسم میں مطلب جمع ہو گیا، جیسے آیت اپنے لفظوں کی شاخوں کے ساتھ درخت ہے اور اسم پھل، اسم کے پھل سے آیت کا درخت پیدا ہو گیا اور آخر میں جب اسم کا پھل ہے تو آیت کا سارا درخت پھل میں سمو گیا۔

پس خدا کی سب صفات امام میں ہیں، جو پورے قرآن کو لئے ہوئے ہیں، اور خدا کی حقیقی صفت بے مثال ہے، جو بیان سے برتر ہے (وجہ دین کو دیکھیں) جیسے اللہ خود کو کائنات کا نور قرار دیتا ہے، مگر پھر فرماتا ہے کہ اِس نے رسول کو روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے

اور دانشمند جانتا ہے کہ یہ چراغ ایسا نہیں کہ اِس کی روشنی صرف ایک گھر یا صرف ایک انجمن کے لئے کافی ہو بلکہ یہ چراغ وہی ہے جس کا ذکر سورۂ نور (۳۵/۲۴) میں ہے تو پھر عقل و دانش کی نظر میں ساری صفات رسولؐ سے متعلّق ہوگئیں، اور اُس آیت کے مطابق جس میں رسول کے بعد جانشین نور مقرّر کرنے کے بارے میں ہے (۸/۵۷) نور کا تعلّق ہمیشہ کے لئے امام سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر صفاتِ خداوندی پیغمبر اور امام میں نہ ہوتیں اور نمائندگی کا تصوّر غلط ہوتا تو پھر خدا کو یہ نہ فرمانا چاہیئے کہ اُس نے نور بھیجا ہے اور پیغمبر روشن چراغ ہیں، جبکہ وہ خود آسمان و زمین کے نور ہیں، تو زمین کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ خدا کسی مظہر کے بغیر بذاتِ خود دُنیا میں ظاہر ہے اور خود ہی لوگوں کی ہدایت کرتا ہے، مگر ایسا نہیں ہے، خدا آسمان و زمین کا نور اِس معنی میں ہے کہ اِس کا مظہر ایسا ہے اور مظہر کی صفت مُظہر کو پہنچتی ہے۔

نور جب یہ دیکھتا ہے کہ بندے اِس کی عظمتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں، تو اُن میں سے کسی ایک نیک بخت کو رُوحانیت کی بلندیوں پر اُٹھا کر اپنی خدائی کا اعلان کر دینے پر مجبور کر دیتا ہے، یہ نور کو غیرت آنے کا ثبوت ہے کہ دیکھو سوچو اور صحیح صحیح جواب دو، چُنانچہ جب منصور نے انا الحق کہا تو نظریات میں اِنقلاب آیا، اِس کو تو ہر طرح سے گزر جانا تھا گزر گیا مگر یہ واقعہ اپنے اثرات مرتّب کرنے کے لحاظ سے

سے ایک عظیم جنگ جیتنے سے کم نہ تھا، جس طرح کہا جاتا ہے کہ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

مادّی طور پر غور کیا جائے تو بھی یہی بات بنتی ہے کہ اِس دُنیا میں جمادات، نباتات اور حیوانات (جسمیں انسان بھی ہے) میں سے جو جو چیزیں موجُود ہیں وہ سب کی سب سُورج کی بدولت قائم ہیں اور ان کا مادّی وجُود سُورج ہی سے ہے، نظامِ شمسی کے حدُود میں جو شیٔ پائی جاتی ہے وہ سُورج سے الگ ہو کر وجُود میں آئی ہے اور پھر ایک وقت میں یہ چیز سُورج کی زد میں آ کر فنا ہو جانے والی ہے یا کہ سُورج کے سمندر میں گر کر نوُر بن جانے والی ہے۔ یہی حال عالمِ انسانیت کا بھی ہے۔

اَب ذرا سوال کے انداز میں بات کرتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں کہ بموجب سورۂ حدید (۵۷) آیت ۱۲ جب اُس روز (رُوحانیت اور قیامت میں) مومنین کا نوُر ان کے آگے یا داہنی طرف رہنمائی کرتا ہُوا منازل کو بڑی سُرعت سے طے کرتا ہو گا۔۔۔۔ تو یہ کِس کا نوُر ہو گا؟ خُدا کی ذات کا؟ رسُول کا؟ امام کا؟ قرآن کا؟ یا مومن کا؟ خُدا کا نوُر اِس لئے کہ اُس نے فرمایا تھا کہ بلندی و پستی کا نوُر وہی ہے، پس اگر ہمیں سوچے سمجھے بغیر اِس آیت کریمہ کے ظاہر پر عمل کرنا ہے تو یہ قبوُل کریں گے کہ نوُر خُدا ہی کا ہے پھر اس صُورت میں رسُول کو نوُر کے طور پر بھیجنے کا حکم عبث ہو گا اور اِسی طرح امامت کا درجہ بھی مگر

یہ بات نہیں، حقیقت یہ ہے کہ مومنین کا یہ نُور امام کا ہے جو خدُا و رسُول سے منسُوب ہو سکتا ہے اور بجا ہے اور دُوسری طرف سے مومنین سے منسُوب ہے، اور یہی ایک عمُدہ مثال ہے مونوریالزم کی۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کینیڈا
۱۶ / اپریل ۱۹۸۰ء

سُنّتِ الٰہی

میرے عزیزوں کو چاہیئے کہ سُنّتِ الٰہی جیسے حکمتِ دین کے اہم اور بُنیادی موضوع پر لکھنے یا بولنے کے لئے متعلقہ آیاتِ مُقدّسہ کا خوب مطالعہ کریں، میں یہاں اِس باب میں کچھ اصُولی باتیں اور چند امدادی نوعیّت کے سوالات لکھ دیتا ہُوں تاکہ عزیزوں اور دُوسرے اہلِ علم حضرات کو اُن آیاتِ کریمہ کی حکمتوں کے سمجھنے کا شوق پیدا ہو جو سُنّتِ الٰہی کے بارے میں وارد ہُوئی ہیں، اور وہ سوالات ذیل کی طرح ہیں :-

سوال ۱: اللہ تبارک و تعالیٰ کی سُنّت کے ذکر میں بُنیادی باتیں کیا کیا ہیں ؟ اِس پاک سُنّت کی تعریف کرو اور آخری مقصد بتاؤ۔

سوال ۲: سُنّت کے لُغوی معنی کیا ہیں ؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سُنّت عادت کا دُوسرا نام ہے ؟ اور اگر ایسا ہے تو سُنّتِ خدُائی اور قانُونِ قدُرت ایک ہی ہے یا یہ دو چیزیں ہیں ؟

سوال ۳: خدُا کی سُنّت اور آنحضرتؐ سے قبل کے رسُولوں کی سُنّت کے درمیان کیا فرق ہے ؟ یا دونوں کے آپس میں کیا نسبت اور رشتہ ہے ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدُا کی سُنّت اور پیغمبر کی سُنت

کے درمیان تضاد ہو؟ اگر ایسا نہیں تو اس کی توجیہہ کرو۔

سوال ۴ : اِس ارشادِ قرآنی کا مطلب کہ: "اللہ کی سُنّت وہ ہے جو اگلے لوگوں میں گذر چکی ہے"۔ بیان کرو، کیا اِس کے معنی ایسے کچھ ہیں کہ سُنّتِ الٰہی پُوری طرح سے عمل میں آکر قائم رہی یا ختم ہوکر چلی گئی؟ اور اگر ختم ہُوئی ہوتی تو نہ فرمایا جاتا کہ تم خُدا کی عادت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

سوال ۵ : خُداوندِ عالم نے قُرآنِ پاک میں کافروں کی عادت کا بھی ذکر فرمادیا ہے، آپ دُرست مطالعہ کرکے بتائیے کہ ان کی کون سی چیز کُفر کی بُنیاد لگتی ہے؟

سوال ۶ : جب قرآن کہتا ہے کہ آنحضورؐ سے پہلے سُنّتِ الٰہی کی واضح اور مکمّل مثال قائم ہوچکی تھی، اور وہ یہ کہ چراغِ ہدایت ہمیشہ روشن رہتا تھا، تو پھر کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر پیغمبر یا اِس کا جانشین اپنے وقت میں خُدا کی سُنّت یا سُنّت کا مظہر ہُوا کرتا ہے؟

جاننا چاہیئے کہ انبیاء وائمّہ علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کی عملی سُنّت ہُوا کرتے ہیں، اِن بابرکت ہستیوں کی موجُودگی کے بغیر سُنّتِ الٰہی کا کوئی تصوّر نہیں ملتا ہے، کیونکہ خُدا کی عادت کے پس منظر میں جو سب سے عظیم حِکمت ہے اِس کا تقاضا بس یہی ہے کہ دُنیا میں نورِ ہدایت قائم و دائم رہے،

تاکہ زمین خلیفۂ خُدا سے خالی نہ ہو۔

آپ جس قدر قرآنِ حکیم میں دِقّت نظر سے دیکھیں گے، اِس قدر سنّتِ الٰہی کو انبیائے کرام کی شخصیّت و ہستی سے وابستہ پائیں گے، یہاں تک کہ اگر بفرضِ محال سلسلۂ ہدایت کو لوگوں کے درمیان سے اُٹھا لیا جائے تو اِسی کے ساتھ ساتھ خُدا کی سُنّت بھی چلی جائے گی، اِس سے یہ حقیقت روشن تر ہو گئی کہ سِلسِلۂ ہدایت ہی پر سُنّتِ خُدائی کا قیام و دوام ہے۔

سُنّت اللہ کے معنی خُدا کی عادت کے ہیں اور اس سے دستور و قانون مُراد ہے، جو کامل اِنسانوں کی ذات میں پوشیدہ رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ج وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۸۵/۴۰

خُدا کی عادت یہی ہے جو اپنے خاص بندوں میں گذرتی رہی ہے اور کافر اِسی مقام پر گھاٹے میں رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پاک عادت کو سب سے پہلے اور سب سے اعلیٰ درجے پر اپنانے والے انبیاءؑ و اولیاءؑ علیہم السّلام ہُوا کرتے ہیں اور اِنہی حضرات کی ذاتِ بابرکات اِس کا منبع و مرکز رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن (۱۷/۷۷) نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ رسُولوں کی عادت اللہ کی عادت

تھی، جس میں کوئی تبدیلی نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزِ ہدایت کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ ایک پاک شخصیّت موجود ہُوا کرتی ہے۔

سُنّتِ الٰہی سے متعلّق جتنی آیات ہیں اُن کا مجموعی مقصد یہ ہے کہ ہم سُنّتِ الٰہی کو پانے کے لئے آنحضرتؐ سے قبل کے انبیاء کے قوانین میں ایک ایسی چیز کی تلاش کریں جو تمام پیغمبروں کے لئے یکساں اور بُنیادی اہمیّت کی حامل تھی، اِس لئے اِس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی، چُنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی بے بدل چیز نورِ ہدایت ہی ہے، یعنی اِنسانِ کامل کی موجُودگی، جو اللہ کی طرف سے مقرّر ہُوا کرتا ہے، اِسی اَمر میں اللہ کی سُنّت قائم و دائم چلی آئی ہے، اور باقی جتنی بھی چیزیں ہیں اِن میں خُدا کی مصلحت و حکمت سے تبدیلی آتی رہتی ہے، پس یہ حقیقت ہے کہ سِلسِلۂ ہدایت کا جاری رکھنا اللہ کی سُنّت رہی ہے، جو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

اِس بحث کا خلاصہ یہ ہُوا کہ رسُولِ اکرمؐ زمانۂ نبوّت میں خُدا کی سُنّت تھے اور اپنی سُنّت تھے، اور دورِ امامت میں ہر امام خُدا و رسُولؐ کی سُنّت رہا، کیونکہ سُنّتِ الٰہی کی نورانی تفسیر و تاویل نُورٌ علیٰ نُورٌ میں کی گئی ہے، یعنی جس طرح دَورِ نبوّت میں خُدائی سُنّت سِلسِلۂ انبیاء میں جاری تھی، اِسی طرح دَورِ امامت میں بھی یہ شجرۂ امامت میں باقی رہے گی۔

حکمت کا ایک خزانہ

میرے بہت ہی عزیز اور انتہائی پیارے نام والے فتح علی حبیب
پریذیڈنٹ

مَیں آپ کو اور دُوسرے عزیزوں کو اِس جذبۂ خیر خواہی سے "یاعلی مدد" کہتا ہُوں کہ یہ پاک دُعا در اصل عرش کے اُٹھانے والے عظیم فرشتوں سے شروع ہو اور برگزیدہ رُوحیں اِس میں شریک ہو جائیں! یہ بات یُوں ہی کہنے کے لئے نہیں بلکہ اصُولِ رُوحانیت اور عملی تاویل کے تحت ہے، اور اگر مَیں اپنے بہت پیارے بچّوں کے لئے اِس نکتۂ دلپذیر کی تشریح بھی کروں تو عقل و رُوح کے لئے کتنا مزید ارتقاء ہوگا، ہاں ضرور، اور پھر مَیں اِس کے سوا کیا دے سکتا ہُوں، سب سے پہلے نورِ معرفت کی روشنی میں حملۃ العرش (۴۰/۷) کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ عرش کے اُٹھانے والے فرشتے مومنین کے حق میں دُعا کرتے ہیں، دیکھیں اور خُوب سوچیں کہ وہ کتنی عالی شان اور پُر حکمت دُعا کرتے ہیں۔

اِس حقیقت یعنی رُوحانی مدد کا دُوسرا حوالہ سورۂ انبیاء (۲۱/۷۹) سے دیا جاتا ہے کہ جب داؤد علیہ السّلام خُدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی تسبیح کرتے تھے،

تو آپ کے ساتھ اِس تسبیح و عبادت میں پہاڑ اور پرندے بھی ہم آہنگ ہو جاتے تھے۔

اگرچہ ظاہری طور پر دیکھنے سے یہ واقعہ حضرت داؤدؑ ہی کا مخصوص معجزہ لگتا ہے، لیکن راہِ ہدایت اور مُشاہدۂ رُوحانیت کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ معجزہ اور انبیاء علیہم السّلام کے دُوسرے لاتعداد معجزات صراطِ مُستقیم کے مختلف مراحل پر واقع ہیں اور ہادیٔ برحق کے نُورِ ہدایت کی روشنی میں جو مومنین آگے بڑھتے ہیں وہ ان تمام معجزات کو دیکھ سکتے ہیں اور رُوحانیت کے عظیم واقعات کے مُشاہدے کے بغیر معرفت مکمّل نہیں ہو سکتی ہے۔

چُنانچہ پہاڑ کی کئی تاویلیں ہیں، اور انفرادی تاویل میں بندۂ مومن کا سر پہاڑ ہے، کیونکہ جس طرح پہاڑ زمین کا سب سے اُونچا حصّہ ہے، اِسی طرح اِنسانی بدن میں سر بلند ترین عضو ہے، اور جیسی زمین کو پہاڑ سے بہت سی برکتیں حاصل ہیں، ایسے ہی بدن کو سر سے بہت سی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ بہت سی باتوں میں انسان کا سر پہاڑ کے مُشابہ ہے، پس داؤد پیغمبرؑ کی تسبیح و عبادت میں پہاڑ کی شرکت و ہم آہنگی یہ ہے کہ ان کے سرِ مبارک کا ذرّہ ذرّہ ان کے پیغمبرانہ ذکر میں شامل ہو جاتا تھا، اور اعلیٰ رُوحانیت میں حقیقی مومنین پر بھی یہ واقعہ گذرتا ہے۔

چونکہ تاویل میں سر پہاڑ ہے لہٰذا یہ طور بھی ہے اور غارِ حرا بھی، پیغمبروں کے قصّے میں پہاڑ کا ذکر آنا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ رُوحانیّت کی بڑی کامیابی اِس وقت شروع ہو جاتی ہے جبکہ مومن رُوحانی طور پر اپنے سر کے طُور پر چلا جاتا ہے، جبکہ پیشانی کے غارِ حرا میں ذکر کرنے لگتا ہے اور جبکہ کھوپڑی کے پہاڑ کا ذرّہ ذرّہ اِس کے ساتھ نُورانی عبادت میں مصرُوف ہو جاتا ہے۔

اَب پرندوں کی تاویل سُنئے کہ وہ کس طرح انبیاء و اولیاء اور حقیقی مومنین کی نُورانی عبادت میں شریک ہو جاتے ہیں، سو جاننا چاہیئے کہ عظیم رُوحانیت میں جسمِ لطیف (ASTRAL - BODY) کے انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرّات پر جو فرشتے اور ارواح آتی ہیں، وہ تاویل کی زبان میں پرندے ہیں، جبکہ یہ معجزاتی ذرّات اُڑ کر آتے ہیں، میں نے کئی مجالس میں اِس عظیم واقعہ کا ذکر کر دیا ہے، چنانچہ حضرت داؤدؑ کا ذکر جب آپ کے ماتھے میں آٹو میٹک (AUTOMATIC) ہو گیا تو داخلی اور خارجی تمام رُوحیں یک زبان ہو کر آپ کے ساتھ نُورانی تسبیح کرنے لگ گئیں اور یہ اعلیٰ رُوحانیت کے اصُولات میں سے ہے۔

اَب میں اِسی جذبۂ خیر خواہی سے آپ عزیزوں کو کچھ اور حکمتیں بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ ایسی عظیم حکمتیں ہیں کہ آپ ان کے

جاننے سے بہت شادمان اور مسرور ہو جائیں گے، سو اِس سے پیشتر چلئے، ہم اپنے خداوند کو ایک بار اسی خوشی میں یاد کریں کہ ہماری ساری پُونجی اِسی کی طرف سے ہے ورنہ ہم کیا ہیں کچھ بھی نہیں۔

اِس شکر گذاری کے بعد بڑی ذِمّہ داری سے یہ تاویل بیان کرتا ہُوں اور آپ بھی ذِمّہ داری قبول کریں اور وہ یہ کہ اس عظیمُ الشّان حِکمت کو جو صرف اور صرف امام عالیمقام کے خزانے سے مل سکتی ہے یاد کریں اور میرے دُوسرے بچّوں سے بھی کہیں کہ وہ بھی اِس کو ذہن نشین کرلیں کیونکہ اِس میں نور کی غذائیں ہیں جن سے دائمی طاقت بن جاتی ہے۔

وہ عظیم حِکمت یہ ہے کہ جس طرح رُوحوں کو ایک اعتبار سے پرندے کہا گیا ہے جس کا ذکر ہو چکا، اِسی طرح دُوسرے اعتبار سے ارواح کو پھل کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ جیسے پھل درختوں کا خلاصہ اور نتیجہ ہُوا کرتے ہیں، اور درختوں کو اُگانے کا مقصد بھی پھل ہی ہوتا ہے، ایسے ہی اجسام کا مقصدِ عالی ارواح ہُوا کرتی ہیں، لہٰذا رُوحانیت اور جنّت کے پھلوں کی تاویل ارواح ہیں، پس قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں پھلوں کا ذکر آیا ہے، اِس سے رُوحانی پھل مُراد ہیں اور وہ رُوحوں کی شکل میں ہیں، اب ہم اُس آیۂ کریمہ کے مفہوم کو لیتے ہیں جس کی تاویل میں ہمارے لئے سب کچھ ہے اور وہ مفہوم یہ ہے:۔

مکّہ کے کچھ کافروں نے پیغمبرِ اسلامؐ سے یہ کہہ کر ایمان لانے

سے گریز کیا کہ اگر وہ آنحضرتؐ کے ساتھ دینِ حق کی پیروی کریں تو اس وقت ان کو اسلام کے دشمنوں کی طرف سے اذیّت دی جائے گی اور وہ اُن کو ان کے مقام سے اُچک کر لے جائیں گے، خُداوندِ عالم نے ان کے اس اعتراض کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ: "آیا ہم نے اِن کے لئے حرمِ مکّہ کو امن کی جگہ یعنی جائے پناہ مقرّر نہیں کیا ہے جہاں پر تمام چیزوں کے پھل کھنچ کھنچ کر آتے ہیں جو ہماری طرف سے خصُوصی رزق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں (۵۷/۲۸)

سُبحان اللہ! کیا شان ہے قرآنِ حکیم کی اور امامِ برحق کی، کہ اس آیۂ کریمہ میں امام اقدس واطہر کا ذکر ہے، کہ وہی بحقیقت حرمِ خُدا ہیں، کیونکہ حرم کے معنی ہیں وہ خاص جگہ جہاں عوام یعنی بیگانہ نہیں جا سکتے ہیں، نیز حرم کے معنی ہیں عزّت وحُرمت کی جگہ، اور اِس سے وہ پاک جگہ مُراد ہے جہاں پر حرام تو حرام ہی ہے حلال میں سے بھی بعض چیزوں کو ترک کیا جاتا ہے، اور یہ تمام اوصاف ظاہراً خانۂ کعبہ کے ہیں اور باطناً امام کے ہیں، یعنی امام کی پاک شخصیّت حقیقت میں خود خُداوندی کا حرم سرا ہے، جس کی رُوحانی نزدیکی صرف محرمِ اسرار ہی کو حاصل ہے اور کوئی بیگانہ اِس کے بھیدوں کو نہیں پا سکتا ہے۔

چُنانچہ جب بندۂ مومن کو امام کی نُورانی معرفت حاصل ہوتی ہے،

تو گویا وہ رُوحانیّت کے کعبہ میں داخل ہو جاتا ہے اور امام کے مُقدّس نورُ کو مُشاہدۂ نُورانیت میں جاننا ایسا ہے جیسے کوئی خانۂ کعبہ میں رہتا ہو اور اس کے لئے دُنیا بھر کے میوے کھنچ کھنچ کر آتے ہوں، یہ واقعہ ظاہر کی نسبت باطن میں زیادہ ممکن ہے، یعنی امام کی معرفت میں رہنا خُدا کے گھر میں رہنا ہے، اور خُدا کے اِس رُوحانی گھر میں کُل جہان سے کھنچ کھنچ کر جو پھل آتے ہیں وہ رُوحانی نعمتیں ہیں جو عقل و جان اور علم و حکمت کے رنگ میں ہیں، چونکہ یہ رُوحانیت اور جنّت کے میوے ہیں، لہٰذا ان کی خُوبیوں اور لذّتوں کی تعریف و توصیف کا حق جیسا کہ چاہیئے ادا نہیں ہو سکتا ہے۔

خانۂ کعبہ جو خدا کا ظاہری گھر ہے اور جو اللہ کے باطنی گھر کی مثال ہے، وہ آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہے جس کو حضرت آدمؑ نے بنایا، پھر طوفانِ نوحؑ نے اسے منہدم کر دیا، جس کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ گھر کدھر تھا، مگر خُدا کی طرف سے ہدایت آئی اور حضرت ابراہیمؑ نے اِسی جگہ پر خانۂ کعبہ کی ازسرِنو تعمیر کی، اور آنحضرتؐ نے خانۂ کعبہ کو بُتوں کے وجُود سے پاک کر دیا، اِس سے دانشمند مومن کو یہ یقین آتا ہے کہ خُدا کا وہ گھر جو لاثانی اور غیر فانی ہے نورِ امامت ہے کہ نوُر کو قرآن نے لازوال اور غیر فانی قرار دیا ہے، پس اگر ہم صرف خانۂ کعبہ کو بغیر تاویل کے امن کی جگہ

مانیں تو بہت سے سوالات اُبھریں گے، مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ جن جن زمانوں میں خُدا کا ظاہری گھر موجُود نہیں تھا تو اس میں امن کی جگہ کہاں تھی؟ خُدا کے گھر پر کافروں کا قبضہ کیُوں ہُوا، کہ اُنہوں نے اِس میں اِتنے سارے بُت نصب کر دیئے؟ وغیرہ وغیرہ۔

چُنانچہ جاننا چاہیئے کہ مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ میں جس امن کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ رُوحانی امن ہے، اور اس امن کے حصُول کے لئے جس گھر کا حوالہ دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا باطنی اور رُوحانی گھر ہے جس کا ذکر ہُوا، اِس کے سوا دُنیا میں امن کہاں ہے، اِس مثال میں بہت حکمت ہے کہ جب کافروں نے آنحضرتؐ کو اذّیت دینے کے لئے فیصلہ کیا تو خُدا کے حُکم سے حضورؐ مکّہ مکرّمہ (جہاں خانۂ کعبہ ہے) کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، اور اگر اِس میں خُداوند تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہوتی تو آپؐ خانۂ کعبہ میں پناہ لیتے۔

جب حقیقی مومنین کو راہِ خُدا میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جب دُشمنانِ دین ان کو اذیّت دیتے ہیں، تو اس وقت خُدا کا وہ معجزانہ گھر جو رُوحانیّت میں ہے گویا اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان مومنین کے پاس آتا ہے اور ان کو اپنے اندر سمو کر رُوحانی طور پر ان کی حفاظت کرتا ہے، یہ ہُوا بوقتِ مصیبت خانۂ خُدا میں پناہ لینا یا امن پانا۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رحمت کسی ایک وقت کے لئے یا کسی ایک ملک کے لئے محدود نہیں ہوتی ہے، وہ تو دائمی اور ہمہ رس ہوتی ہے، کاش! لوگوں کو خبر ہوتی کہ خانۂ خدا کی تاویل کیا ہے، کاش! ان کو قرآنِ حکیم کی اِس پُرحکمت آیت کے اسرار معلوم ہوتے، خُدا کرے کہ دُنیا والے قرآن اور امام کی عظمتوں سے آگاہ ہو جائیں!

فقط آپ کا دُعاگو

نصیر ہونزائی

۳۰ مارچ سنہ۱۹۸۰ء

بیت المعمور

میری رُوح کا ایک بہت پیارا ٹکڑا

فتح علی حبیب

یَاعلی مَدد اِس معنی میں کہ دین کی ساری خیرخواہی اسی دُعا میں پوشیدہ ہے، مولا میرے عزیزوں کو دین و دُنیا کی سلامتی اور کامیابی عطا فرمائے! آمین !!

میں سمجھتا ہُوں کہ یہ خط بھی اِس سفر کی یادگار چیزوں میں سے ایک ہے، کیونکہ آج اِس لفافے میں واپسی کی تاریخ لکھ رہا ہُوں، لہٰذا چلئے اس خُوشی کے موقع پر بھی علم کی کوئی اہم بات کریں، تاکہ اِس سے بہت سے اسماعیلیوں کو فائدہ ہو۔

آج بیت المعمور کے بارے میں کچھ تذکرہ کریں گے، کہ بیت المعمور کے معنی ہیں آباد گھر، یہ نام قرآنِ پاک (۵۲/۴) میں مذکور ہے، اور یہ اُن عظیم چیزوں میں سے ہے، جن کی عظمت و بزرگی کی خُداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، یہ بیت المعمور کی عُلوِشان کی دلیل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ بیتِ معمور (یعنی خُدا کا آباد گھر) زمانے کا امام ہے،

کہ خُدا کا یہ گھر ہر طرح سے اور ہر معنیٰ میں آباد ہے، یعنی اِس میں خُدا کی شانِ اقدس کے مطابق جو کچھ ہونا چاہیئے وہ سب موجُود ہے، اور اِس مُبارک گھر کے دائرۂ اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں۔

روایت ہے کہ بیتِ معمور خانۂ کعبہ کے بالمقابل آسمان میں ہے اور وہ فرشتوں کا قبلہ ہے، جس کی تاویل ہے کہ ظاہر و جسمانیت زمین ہے اور باطن و رُوحانیت آسمان، سو اِسی طرح ظاہر و باطن ایک دُوسرے کے بالمقابل ہیں اور اِسی معنیٰ میں خانۂ کعبہ اور بیتِ معمور ایک دُوسرے کے آمنے سامنے ہیں، نیز یہ ہے کہ خانۂ کعبہ مثال ہے اور بیتِ معمور ممثول، چُنانچہ مثال اور ممثول ایک دُوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں، ورنہ یہ ممکن نہیں کہ آسمان کا کوئی مخصوص قطعہ ہمیشہ خانۂ کعبہ کے ٹھیک اُوپر رہے، جبکہ آسمان و زمین دائم مختلف زاویوں سے گردش کرتے ہیں، اور دانشمند اِس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔

بیت المعمور کے قبلۂ فرشتگان ہونے کی حکمت یہ ہے کہ مومنین رُوحانیت میں فرشتے ہیں اور امام ان کا رُوحانی قبلہ، پس اہلِ ایمان کی رُوحیں مرتبۂ امام کے گرداگرد طواف کرتی ہیں۔

خُدا کے آباد گھر (بیتِ معمور) میں مومنین کے لئے مُلاقاتِ خُداوندی کے تمام مواقع حاصل اور ربّانی معرفت کے سارے خزانے مہیّا ہوتے ہیں، اور معرفت مومن کی آخری سعادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے گھر کا تصوّر دانشمند کے نزدیک ایسا ہے کہ یہ دین کے سارے علم و حکمت اور جملہ فضیلت و کرامت کو ایک ہی مرتبے میں محدُود کرتا ہے، کیونکہ گھر کا مطلب تمام اختیارات کا مرکز ہے، اور یہ مرتبہ امام کا ہے، جس کی ذاتِ اقدس میں ہر چیز محدُود ہے۔

خانۂ معمور (آباد گھر) میں جو آبادی کے معنی ہیں، وہ ربّانی آبادی ہے، اِنسانی آبادی نہیں، یعنی خدا کے گھر میں خُدا کی تمام صفات موجُود ہیں، جن کے سبب سے اللہ کا یہ مُقدّس گھر آباد ہے اور جن کی وجہ سے اُس کی بادشاہی قائم ہے۔

آسمانِ رُوحانیّت و فضیلت کا یہ عالیشان گھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے دستِ قدرت سے تعمیر کیا ہے، اِس میں کسی اِنسان کا کوئی دخل نہیں، اور جس میں ہمیشہ کے لئے نُورِ الٰہی کا چراغ روشن ہے، اور یہ فرشتوں یعنی حقیقی مومنوں کو نُورانی دیدار کی لازوال دولت سے مالا مال کر دینے کے لئے ہے، کیونکہ یہ صرف اِنہی کے لئے خاص ہے۔

میرے عزیز! یہ ہیں بیت المعمور سے متعلق تاویلی اسرار، یہ بھید امام کے خزانے ہی میں ہوتے ہیں، اور ایسے بھیدوں کے جاننے سے رُوحِ مومن کو ترقّی ملتی ہے، اِس لئے کہ ان سے پردے کُھلتے ہیں۔

اُمید ہے کہ ہمارے عزیز ان اِن حکمتوں کو قدردانی کے ساتھ

قبول لئے جائیں گے، تاکہ ان پر عین الیقین کے دروازے کھل جائیں اور پھر ذاتی طور پر ہر حقیقت کا مشاہدہ کرسکیں۔

تمام عزیزوں کو ایک بار پھر یا علی مدد قبول ہو! انشاء اللہ تعالیٰ اس خط سے پہلے میرے یہاں سے پاکستان کی طرف روانہ ہونے کا ٹیلیگرام آپ کو ملے گا، آج ٹکٹ پر تاریخ درج ہو رہی ہے۔

فقط آپ کا عزیز سر،

نصیر ہونزائی

۳۰/ اپریل ۱۹۸۰ء

دُرُود کا ماحول

میرے بہت ہی عزیز، بہت ہی پیارے اور بہت ہی پسندیدہ رفیق پر دائم خُداوند پاک کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں!

میں "یا علی مدد" اِس یقینِ کامل سے کہتا ہُوں کہ اِس پُر حکمت جُملے میں سلام و دُعا کے ہزاروں معنی پوشیدہ ہیں، میں یہ پیار کے خزانوں سے بھرپُور خط صبح نُورانی وقت کے بعد لکھ رہا ہُوں، مولا کی ذاتِ اقدس پر اُمید ہے کہ اِس میں علم و آگہی کی طاقتور رُوح سموئی ہُوئی ہوگی۔

آپ کے دونوں پیارے پیارے خط جو اخلاص و محبّت کے انمول موتیوں کا ایک عظیم ذخیرہ لئے ہُوئے تھے ملے اور زبردست خُوشی ہُوئی، اور خُداوند کی عنایتوں کا شکر بجالایا، کہ اِسی کارساز نے یہ سارے وسائل مہیّا کر دیئے ہیں۔

میرے عزیز، بہت ہی پیارے! آپ نے اپنی فرشتگانہ عادت کے مطابق کتنا عالی شان خط لکھا تھا، کتنی اچھی تفصیلات تھیں! پروردگار ہمیشہ آپ پر مہربانیوں اور نوازشوں کی بارش برسائے اور میرے دُوسرے عزیزوں پر بھی۔

پیارے رفیق ! ہم سب کو کتنی بڑی خوشی ہے کہ امامِ عالیمقامؑ خانۂ حکمت اور عارف کی علمی خدمت سے راضی ہے، جس کا ثبوت اِس امر سے ظاہر ہے کہ ہماری ناچیز کوششیں ہر مقام پر آگے بڑھ رہی ہیں، اور امام کی معجزانہ تائید حاصل ہے۔

عزیزِ من ! آپ میرے عزیزوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ "دیوانِ نصیری" کا ایک کام اللہ کی رحمت سے ختم ہوا، یعنی لاطینی حروف میں ٹائپ کر دینے کا کام، جو ماہ فروری کی ۲۵ تاریخ کو مکمل ہوا، اب دوسرا کام چلتا ہے جو گریمر اور لیکچرز سے متعلق ہے۔

آپ سب کی نیک دعاؤں سے قربان ہو جاؤں، کہ مولانے ہمارے لئے کتنے معجزات کئے ہیں، جن کی وضاحت مشکل ہے، آپ سب نے جو وہاں کام کیا ہے، اِس میں بڑی رحمت ہے، اِنشاءاللہ اور بھی ترقی ہوگی۔

مجھے مکمل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے میرے عزیزوں پر درود بھیجتے ہیں، کیونکہ خدا نے قرآنِ حکیم میں اِس سعادت کے حصول کے لئے جو شرائط بتائی ہیں وہ ہمارے عزیزوں سے پوری ہو رہی ہیں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کی زبان میں "درود" کو صلوات کہا جاتا ہے، اور قرآنِ پاک (۲/۱۵۷) کے مطابق آسمانِ روحانیت سے صلوات (درود) حاصل

کرنے کی بنیادی شرط صبر ہے اور صبر کے کئی مواقع ہیں، اِن میں سے ایک اہم موقع یہ ہے کہ بندۂ مومن جماعت کی مُفید خدمت کے سلسلے میں ہر قسم کی تکلیف کو صبر سے کام لے کر برداشت کرے۔

ذاتی اور انفرادی مصیبت کے دوران بھی صبر کا موقع ہے اور اِس میں بھی صبر کا وجُود بن سکتا ہے، لیکن سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور فائدہ بخش صبر وہ ہے جو جماعتی خدمت میں اختیار کیا جاتا ہے، اور صبر کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔

مطلب بڑا سادہ اور آسان ہے کہ قانونِ دین کے مطابق فرد کی راحت کے مقابلے میں ہمیشہ جماعت کی راحت کو ترجیح دی گئی ہے، لہٰذا جو دانشمند مومن اپنے جسمانی آرام و راحت کو قوم کی فلاح و صلاح کے لئے قُربان کر دیتا ہے، اور اِس سلسلے میں ہمیشہ ذہنی اور جسمانی دُکھوں کو برداشت کرتا رہتا ہے تو یہ اِس کی صفتِ صبر ہے، جس کی وجہ سے اُس پر خُدا کی جانب سے درُود نازل ہوگی۔

آیۂ کریمہ (۲/۱۵۷) کے مطابق ایک طرح سے دیکھا جائے تو مسلسل خدمت کی سختی برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے، صبر کا پھل صلوات (درُود) ہے، صلوات کا میوہ رحمت ہے اور رحمت کا نتیجہ ہدایت یعنی پروردگار کی طرف سے درُود، رحمت اور ہدایت، جو اِس پُرحکمت آیت میں مذکور ہیں۔

مومن پیغمبرؐ اور امامؑ کے مُبارک نام پر درُود پڑھ کر یہ سمجھتا ہے کہ اُس نے اُن قُدسی ہستیوں کو کوئی ایسا تحفہ پیش کیا جو ان کے پاس نہیں تھا، حالانکہ قرآنی حکمت کی روشنی میں دیکھا جاتے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتے گی کہ درُود کا رُخ واپس بندۂ مومن ہی کی طرف ہے، بالکل اِسی طرح جیسے بہت سے مذہبی آداب خُدا و رسُولؐ اور امامؑ کے نام پر بجالائے جاتے ہیں، مگر ان کا فائدہ صرف مومنین ہی کو پہنچتا ہے، کیونکہ نوُر ہمیشہ سے کامل اور مکمّل ہے اور اس میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش نہیں، صرف اِتنا ہے کہ نوُر اپنے اُوپر احسان رکھتا ہے تاکہ اِس سے بندوں کی حوصلہ افزائی ہو۔

عوام درُود کے معنی نہیں جانتے ہیں، اِس لئے کہ اُنھوں نے معلّمِ قرآن کو چھوڑ دیا، درُود جس کا قرآنی لفظ صلوات ہے اپنے اندر کافی معنوی وُسعت رکھتا ہے، چُنانچہ صلوات جو آسمانی ہے اور جو رُوحانی ہے، وہ ایک جذبے کی شکل میں ہے، وہ سب سے پہلے جذبۂ فرمانبرداری ہے، اِس کا دُوسرا نام توفیقِ اطاعت ہے، وہ توفیقِ عبادت ہے، وہ توفیقِ خدمت ہے اور توفیقِ علم، اس لئے کہ صلوات کے ایک لُغوی معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔

حقیقی مومنین کو امامِ اقدس کی جانب سے صلوات کے نتیجے میں سکونِ قلب مِلتا ہے جس کا ذکر قرآن کی ۹/۱۰۳ میں موجُود ہے،

زکات مالی ہو یا علمی، زکات ہی ہے، بلکہ سچ پوچھو تو بتائیں کہ علمی زکات بہت ہی اہم ہے، اِس لئے کہ یہ ہمہ رس ہے اور اِس لئے کہ ہمیشہ اِس کی ضرورت ہے۔

مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اے رسولؐ آپ اِن کے مالوں میں سے ایک صدقہ یعنی زکات لیجئے تاکہ آپ اِس وسیلے سے ان کو مالی اور جانی طور پر پاک و پاکیزہ کر سکیں، اور ان کو دُعا (صلوات) دیجئے کیونکہ آپ کی دُعا (صلوات) میں انکے لئے سکونِ قلب ہے۔ چنانچہ تاویل کے مقام پر علمی زکات میں کہیں زیادہ پاکیزگی اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے، جبکہ یہ علمی زکات امام قبول فرماتا ہے اور صلوات دیتا ہے، یعنی بندۂ مومن پر درُود نازل ہوتی ہے، جس کا اِس آیت میں ذکر ہے۔

میں یہاں درُود اور اِس کے ماحول کا ذکر کر رہا ہوں، ماحول کا مطلب ہے کہ اِس کے گرد و پیش کیا کیا چیزیں ہیں، سو معلوم ہوا کہ درُود کا تعلّق اگر ایک طرف صبر سے ہے جو جماعتی خدمت میں ہونا چاہیئے تو دُوسری طرف مالی اور علمی زکات سے ہے جو جماعتی خدمت کی ایک اہم شکل ہے۔

اَب ہم اُس آیۂ کریمہ کی طرف جاتے ہیں جو درُود کے بارے میں مرکزی اہمیّت کی حامل ہے وہ ہے سورۂ احزاب (۳۳) آیت ۵۶،

جس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا اور اس کے ملائکہ تم پر درُود نازل کرتے ہیں تاکہ اس سے تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جایا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانی درُود ایک محرّک طاقت ہے جو تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کا ذریعہ بن سکتی ہے، وہ جذبۂ تابعداری ہے یعنی توفیقِ اطاعت، جو علم و عمل کی ہمّت ہے۔

آج جو مومنین جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکل کر نُورِ علم کی روشنی میں پرسکون مذہبی زندگی گزار رہے ہیں ان کو شکر گزار ہونا چاہیئے کہ خدا اور فرشتے اُن پر مسلسل درُود نازل کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ تاریکی سے ہٹ کر روشنی میں (یعنی نُورِ علم میں) آگئے ہیں۔

شروع والی آیت پر غور کیا جائے تو پھر بھی یہی معنی ہوتے ہیں کہ خدمت اور صبر کے انجام میں درُود، درُود سے رحمت، رحمت سے ہدایت اور ہدایت کا مطلب حقیقی علم ہے، جیسے ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرف سے درُود نازل ہوتی ہے اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں ۲/۱۵۷ اس میں پہلے درُود کا ذکر ہے، پھر رحمت کا اور آخر میں ہدایت کا۔

ہم نے اپنے عزیزوں کو درُود کے بارے میں بہت سی عمدہ باتیں بتائی ہیں، اور لکھ کر دیا ہے، ان تمام باتوں پر نظر رکھنا چاہیئے، جب تک اُن تمام آیات پر یکجا نظر نہ ڈالی جائے اور تمام تشریحات

کا خلاصہ نہ کیا جائے، تو ممکن ہے کہ کوئی سوال باقی رہے۔

خُدا اور اس کے ملائکہ کی طرف سے مومنین پر درُود نازل ہونے کی عالیشان تاویل یہ ہے کہ خُدا کی تاویل امام ہیں کیونکہ صفاتِ خُداوندی کے مظہر وہی ہیں، اور ملائکہ کی تاویل اعلیٰ سطح کے مومنین، پس آیۂ مبارکہ کا تاویلی مطلب یہ ہے کہ امام اور درجۂ اوّل کے مومنین کی دُعا اور رُوحانی فیض عام مومنین کے لئے کام آتا ہے۔

شریعت اور تنزیل کے مقام پر جب فرمایا جاتا ہے کہ خُداوند تعالےٰ اور فرشتے فلاں کام کرتے ہیں، تو حقیقت اور تاویل کے مقام پر یقیناً اس کا یہ مطلب ہوتا ہے، کہ وہ کام امامِ زمان اور اس کے حدود کرتے ہیں۔ اسماعیلیت کا یہ ایک عام اصُول ہے کہ مومنین کی رُوحیں فرشتوں کی حیثیت سے ہیں۔

سورۂ احزاب ہی میں وہ آیت بھی ہے جس کے مطابق محمّدؐ و آلِ محمّدؐ کے نام پر درُود پڑھی جاتی ہے، اور آیت کا ترجمہ یہ ہے: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (محمّدؐ) پر درُود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تُم بھی صلوات بھیجا کرو اور سلام کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے ۳۳/۵۶ اِس کی تاویل ہے کہ امام اور حدُود آنحضرت کی پیروی اور تابعداری کرتے ہیں تو تُم بھی ایسا ہی کرو۔

جو حقیقتیں تاویل کے اندر پوشیدہ ہوتی ہیں، وہ بہت ہی عالی قدر

ہوتی ہیں، اور ان میں کافی روشنی ہوتی ہے، چُنانچہ صلوات کے اسرار بہت ہی اہم ہیں، جن کے جاننے میں مومن کی سعادت ہے اِنشاءاللہ تعالیٰ عزیزوں کو خُداوند علمی طور پر بہت آگے بڑھا دے گا۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

قرآن اور روحِ قرآن

میرے انتہائی عزیز بچّوں کے نام پر

بڑے اشتیاق اور حقیقی محبّت کے جذبات سے بھرپور یا علی مدد ہو! میں یہ پیارا سا خط گویلف سے لکھتا ہوں، جہاں میرے بہت ہی عزیز شیراز شریف اور مینار رہتے ہیں، اُمید ہے کہ یہ خط بھی یادگار خطوط میں سے ہوگا۔

ہماری عادت یہ ہوئی ہے کہ دُنیا کی باتوں کو خط میں اہمیّت نہ دیں، خواہ کتنی ضروری کیوں نہ ہوں، بس علم ہی کی باتیں کریں، تاکہ مولا راضی ہو، جس میں سب کچھ ہے، چنانچہ جاننا چاہیئے کہ مومن کے لئے حقیقت کا راستہ بڑا آسان اور صاف ہے، وہ یہ کہ اسلام برحق ہے جسے پیغمبرِ اکرمؐ نے دُنیا والوں کے سامنے پیش کیا، اور یہ کہ قرآنِ پاک اسلام کا سب سے عظیم سرمایہ ہے، درحالیکہ امام قرآن کا نُور اور رُوح ہے۔

آنحضرتؐ اپنے وقت میں قرآن کی رُوح تھے اور نورؐ، اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے نوُر اور رُوح کا مطلب نہیں سمجھا، جس کی وجہ سے وہ قرآن کی حکمتوں سے قاصر رہے۔

رُوح یہاں خلاصہ، مغز، ست اور نچوڑ جیسے بیجان معنوں کے لئے نہیں، بلکہ اِس سے وہ زندہ اور بولنے والی رُوح مُراد ہے، جو خود رُوحانیت اور نورانیت کا قرآن ہے اور وہ نُور بھی کہلاتا ہے، کیونکہ اِسی سے قرآنِ صامت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ رُوح امام میں ہے۔

مَیں قرآن و حدیث ہی کی بُنیاد پر بات کرتا ہُوں کہ حضرتِ ہارون ؑ حضرت مُوسیٰ ؑ کے وزیر تھے، یعنی بوجھ بٹانے والے، اس کے معنی یہ ہُوئے کہ مُوسیٰ ؑ پر جو آسمانی کتاب نازل ہُوئی تھی اِس کی زندہ رُوح یا نُور کے حامل ہارون ؑ تھے، اِسی طرح ہارون ؑ مُوسیٰ ؑ کی کتاب تھے، یعنی کتابِ ناطق۔

ایک بہت بڑا سوال یہ کرنا ہے کہ کیا حضرت مُوسیٰ ؑ کے زمانے میں جو ایک ساتھ تین عظیم چیزیں تھیں، یعنی رسُول ؑ آسمانی کتاب اور وزیر، وہ سُنّتِ الٰہی کے مطابق ایک امر تھا یا اُس کے خلاف؟ اگر کہا جائے کہ دین کی بُنیادی بات جو رسالت ہے وہ خلافِ سُنّتِ الٰہی کس طرح واقع ہو سکتی ہے، تو پھر ماننا پڑے گا کہ ہر دَور میں پیغمبر کے ساتھ ساتھ امام بھی ہُوا کرتا ہے، اور اگر کہا جائے کہ پیغمبر کے ساتھ وزیر کا ہونا صرف مُوسیٰ ؑ کے لئے خاص ہے، تو پھر یہ نظریّہ اُس حکمِ قرآنی سے متصادم ہو گیا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ خُدا کی عادت جو

رسُولوں کو بھیجنے سے متعلق ہے اِس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

مُوسیٰؑ اور ہارونؑ کے قِصّۂ قرآن میں مُحمّدؐ و علیؑ کی میٹھی میٹھی تاویلی باتیں ہیں، ایسی باتیں جن میں امامت کے بھید پوشیدہ ہیں، یہ بھید ایسے عظیم ہیں کہ ان کے جاننے سے مومن کو سکُون مِلتا ہے۔

حضرت ہارونؑ حضرت مُوسیٰؑ کے وزیر تھے، اِس سے کوئی شخص قرآن کو مانتے ہُوئے انکار نہیں کر سکتا ہے، مگر ہر شخص یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ یہ وزارت کس نوعیّت کی تھی؟ کیونکہ اِس کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ صرف حِکمت کی زبان میں ہے اور حکمت عوام نہیں سمجھتے ہیں۔

مرتبۂ امامت ہمیشہ سے مرتبۂ نبوّت کی وزارت ہے، سوامامت خُدا و رسُولؐ کی خلافت اور نمائندگی ہے، لہٰذا امام کی ذاتِ اقدس میں اللہ اور اس کے رسُول پاکؐ کے اسرار پوشیدہ ہیں، اور قرآن کی رُوح و رُوحانیت بھی انہیں بھیدوں میں سے ہے۔

اِس سلسلے میں سب سے بڑا راز یہ ہے کہ یہ وزارت رُوح اور نُور کی کیفیّت میں چلتی ہے، اور میں نے اِس مختصر سی بات میں بہت سے بھید بتا دیئے بشرطیکہ کوئی میری زبان سمجھتا ہو، میرے لفظوں سے باخبر ہو اور میرے نظریّہ کو جانتا ہو۔

اے کاش لوگ قرآن کو جانتے! اے کاش وزیرِ رسُولؐ کو پہچانتے!

اے کاش علم و حکمت کے دروازے کو سمجھتے! اے کاش وہ تاویل سے باخبر ہوتے! اے کاش وہ معرفت رکھتے! اے کاش رُوحانیت عام ہوتی! اے کاش نُور کی پہچان ہوتی! اے کاش خدُا کی رسّی کو تھام لیتے! اے کاش کتابِ ناطق کے لئے اقرار کرتے! اے کاش انسانِ کامل سے آگاہ ہوتے! اے کاش خلیفۂ خدُا کے دامن کو پکڑ لیتے! اور اے کاش امامِ وقت سے محبّت کرتے!

فقط بہت سی دُعاؤں کے ساتھ

آپ کا علمی خادم

نصیر ہونزائی

۳۰ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

علمی اور رُوحانی رِشتہ

میرے بہت ہی پسندیدہ اور پیارے پیارے علمی بچّوں کے نام پر

مولا علی دونوں جہان کا شاہنشاہ آپ سب عزیزوں کی معجزاتی مدد کرتا رہے! اس کی پُرحکمت مدد مکمّل فرمانبرداری کی صُورت میں حاصل ہوتی رہے، ذکر و عبادت اور علم و عمل کے ہر موقع پر اس کی رُوحانی مدد و دستگیری کرے! آمین!!

عزیزانِ من! آج نہ معلوم میری رُوحانی مسرّتوں میں کیوں اضافہ ہو رہا ہے، خدا جانے میں اِتنا شادمان ہوں تو کس وجہ سے، میری رُوح اِتنی خرسند کس لئے ہے، یہ مولا کی عنایت، مولا پاک کی کوئی معظیم رحمت کے سوا اور کیا چیز ہوسکتی ہے، کیونکہ خُداوند کی رحمت کے بغیر دُنیا کی کوئی چیز یہ خُوشی نہیں دے سکتی ہے۔

میرے پیارے بچّے میرے خدُاوند کی عظیم عظیم رحمتوں میں سے ہیں، آپ قرآن میں دیکھیں کہ علمی اولاد رحمتِ خدُاوندی ہے یا نہیں؟ آپ شاید تعجب سے پُوچھنا چاہیں گے کہ قرآن میں یہ اصطلاح کہاں ہے؟ ارے میری آنکھوں کے تارو! آپ حکمت کی عینک لگا

کر دیکھیں تو سہی، یا میری آنکھوں سے دیکھیں، عِلم اور رُوحانیت کے بارے میں آپ مجھ سے آنکھوں کا کام لیں۔

انبیائے قرآن کے پُر حِکمت قصّوں کو پڑھیں اور سُنیں، ہمارے مہربان خُداوند نے تاویل کا سب سے آسان حِصّہ ان قِصّوں میں رکھا ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو امام کی ہدایت کی روشنی میں اساس التاویل کی کتاب نہ بنتی جو صرف انبیاء کے قِصّوں پر مشتمل ہے، آپ قرآنی قِصّوں کو ضرور یاد کریں، تاکہ ان سے بہت سی حکمتیں حاصل ہو سکیں۔

ان قِصّوں میں پیغمبروں کی اولاد کا ذکر بھی آپ کو ملے گا، اور پھر پیغمبر زادوں کے لازماً دو دو پہلو تھے، جسمانی اور رُوحانی، اور پھر آپ دیکھیں گے کہ اگر کسی نبی کا کوئی فرزند اپنے باپ کے دینی اور رُوحانی مرتبے کو قبول نہیں کرتا ہے تو اس کا جسمانی رشتہ بیکار ہو جاتا تھا، اِس کے صاف صاف معنی یہ ہُوئے کہ قرآن میں جہاں کسی پیغمبر کی اولاد کو اگر رحمت قرار دیا گیا ہے تو وہ صرف دین اور عِلم کے کام کرنے کی بُنیاد پر ہے، اور چونکہ انبیاء نمونۂ عمل ہیں لہٰذا ان کی اولاد کے تذکروں میں، ہمارے لئے بہت کچھ نصیحت ہے، اور اس نصیحت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں عِلمی اولاد کی حوصلہ افزائی اور تعریف ہے، اور دینی و عِلمی رشتے کی تصدیق ہے،

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے (۱۴/۳۶) یعنی جو میرا شاگرد یا مُرید ہے اور میرے علم کو قبول کرتا ہے تو وہ رُوح کے رشتے میں میرے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرح ہے۔

یہ بات صرف ابراہیمؑ کی نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء میں مُشترک ہے، آپ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کے قصّے میں سوچ کے ذرا ایک دُوسرے کی مدد کرنا، نیز یہ سوچنا کہ نوحؑ کے بیٹے نے جو باپ سے رشتہ توڑا وہ کس طرح ممکن ہُوا؟ یہ تو منفی پہلو ہے اور اس کا مثبت پہلو کیا ہے؟ کیا یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضرت نوحؑ کا نافرمان بیٹا اور سلمان فارسی مرکزِ نور سے رشتہ توڑنے اور جوڑنے کا نمونہ ہیں، کہ ایک نے توڑ دیا اور دُوسرے نے جوڑ لیا؟ آپ علم و حکمت کی خاطر اس میں بھی ذرا سوچیں۔

اَب میں علم کی کوئی دُوسری بات بتانا چاہتا ہُوں، کیونکہ مُجھے اپنے بچّوں سے باتیں کرنے میں بڑا مزہ ہے، سو میرے بہت ہی پیارے بچّو! یاد رہے کہ حقیقی علم جو امام کے نُور سے ملتا ہے وہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کی طرح معجزانہ ہے کہ وہ اژدھا بن جاتی تھی، چُنانچہ امام ہی کا رُوحانی علم ہے جو اژدھے کی طرح سارے سوالات کو معجزاتی طور پر نگل لیتا ہے، یعنی سارے سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔

میرے عزیز بچّو! یہ بات یاد رکھنا کہ اگر قرآنِ حکیم کی تشریح خُدا اور رسولؐ کی خُوشنودی کے مطابق ہے تو وہ بھی رُوحانی اور حقیقی علم

ہے، اور وہ یہ کہ امامِ زمان کے نُور کی روشنی میں قرآن کے عِلم و حکمت کو حاصل کیا جائے۔

یہ بات بھی ضروری طور پر یاد رہے کہ "سُنتِ رسُولؐ" سُنّتِ خُدا کے مطابق ہے، کیونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خُدا کی کوئی سُنّت ہے یا نہیں، اور اگر خدا کی کوئی سُنّت ہے تو پھر رسُول کی سُنّت اللہ کی سُنّت سے کس طرح مختلف ہو سکتی ہے، جبکہ خُداوند تعالیٰ نے اپنی سُنّت کی تعریف (شناخت) کے لئے آنحضرت سے قبل کے زمانے کا حوالہ دیا ہے اور حضورؐ کے زمانے کو اسی کا نمونہ قرار دیا ہے اور اشارہ یہ ہے آئندہ بھی خُدا کی یہ سُنّت قائم رہے گی، یعنی کوئی زمانہ ہادئ برحق کے بغیر نہ ہوگا، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ خُدا اپنی سُنّت میں ہادئ برحقؑ کے وجُود کو ثابت کرے اور پیغمبرؐ کسی اور چیز کو۔

جب آنحضرتؐ دُنیا میں تشریف رکھتے تھے، تو اُس وقت حضورؐ کی زندہ سُنّت کیا تھی؟ آپؐ ہی اپنے نُور کے ساتھ اپنی سُنّت تھے، اور آپؐ کے بعد آپؐ کا برحق جانشینؑ خُدا و رسُولؐ کی وہی زندہ سُنّت تھے، خُدا نے کب فرمایا کہ رسُولِ عربیؐ کے بعد اس کی سُنّت و عادت میں وہ تبدیلی آنے والی ہے جو اس سے پہلے کبھی یہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔

ہمیں اپنوں کو یہ موضوع اچھی طرح سمجھا دینا ہے اِس لئے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ آپ سُنّتِ الٰہی سے متعلق آیات کا خُوب مطالعہ کر کے

عملی طور پر پریکٹس کریں، اور یہ سوچیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ خُدا کی سُنّت اور ہو، اور اس کے پیغمبرؐ کی سُنّت اور؟ یا یہ ممکن ہے کہ رسُول کی سُنّت خُدا کی سُنّت کی تشریح کی حیثیت سے ہو؟

میرا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت و سُنّت کا مرکز اپنے اپنے وقت میں انبیاء تھے اسی طرح آنحضورؐ اپنی نبوّت کے زمانے میں خُدا کی سُنّت تھے اور رسُولؐ کے بعد ہر زمانے میں امامِ وقت خُدا اور رسُول کی پاک سُنّت ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ اِن باتوں پر غور کریں گے، ان کو اہمیّت دیں گے اور ان سے فائدہ اُٹھائیں گے، تب ہی میری ساری مشقّت راحت بن جاتے گی۔ الحمدُ لِلّٰہ۔

"دیوانِ نصیری" لاطینی حرُوف میں یونیورسٹی کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش ہُوا ہے مبارک ہو! حسنِ کارکردگی کا ایک یا دو بڑے عالیشان خط بھی مل رہے ہیں وہ اپنے ساتھ لاؤں گا، "دیوان" پر خانۂ حکمت کا پیارا نام درج ہے، ایک کتاب آپ کے ریکارڈ اور نمائش کے لئے لا رہا ہوں، جس نمائش کے لئے ہم کبھی سوچ رہے تھے وہ اب بہت کامیابی کے ساتھ کریں گے، ہو سکتا ہے کہ ہم نقوشِ حکمت وغیرہ کی نمائش کراچی کے علاوہ ہونزہ، گلگت، سکردو، مسگر وغیرہ میں بھی کریں۔

فقط بہت سی دُعاؤں کے ساتھ نصیر ہونزائی